ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

"انسان کا علم حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی
اشاعت کرنا صدقہ ہے۔"

حدیث رسول ﷺ

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

شمارہ ۶ـ۷	ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ جون و جولائی ۲۰۱۰ء	جلد نمبر ۱۷

معاون مدیر	مدیر مسئول
انیس احمد فلاحی مدنی	ابو الکرام ازہری
☆ طلبہ کے لیے: ۴۰ روپے ☆ اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰ روپے ☆ اس شمارہ کی قیمت ۱۰ روپے	☆ سالانہ زرتعاون ۸۰ روپے ☆ خصوصی زرتعاون: ۱۰۰ روپے ☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

بنام: مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو پی) ۲۷۶۱۲۱

Phone: 05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

مسئلہ فلسطین کا حل مذاکرات یا جہاد	انیس احمد فلاحی	۳

○ ہدایت کے چراغ

ابو مسلم خولانی	ابو جلیس ندوی	۶

○ اصولی مباحث

لن ترجع التعدیل ایک مختصر تعارف	ڈاکٹر عارف احمد امان	۱۳

○ بحث ونظر

انبیائی اسلوب دعوت	مقبول احمد فلاحی	۱۸
قرآن کی پہلی ہی آیت میں صورت ابہام کی فکر	ملک عظیم فلاحی	۲۵

○ فقہی مباحث

اسلامی فقہ اکیڈمی کے چند اہم فیصلے		۳۰

○ تلخ وشیریں

بس میں بیٹی کا نکاح	ثناء اللہ ضیا صوفی	۳۶

○ مذاہب عالم

ہندومت راماین ایک تجزیاتی مطالعہ	انیس احمد فلاحی	۴۰

○ فقہ وفتاوی

بائیں ہاتھ سے پانی پینے کا حکم پنشن کا حکم	ابو ارقم فلاحی	۵۴

○ شعر ونغمہ

ضرب المثل عربی اشعار......		۶۳

○ جامعہ کے لیل ونہار

نتائج کا اعلان، ایڈہاک کمیٹی کا اجلاس ملتوی دسمبر ۲۰۰۰ء کے ٹیسٹ میں فلاحی طلبہ کا مقام مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح کے چند اہم فیصلے کمپیوٹر سنٹر جامعۃ الفلاح کے چند اہم منصوبے	ادارہ	۵۵

○ روداد انجمن

شوریٰ انجمن طلبہ قدیم کا اجلاس محلی یونٹ کی رپورٹ، ... مقابلہ		۶۲

اداریہ

مسئلہ فلسطین کا حل
مذاکرات یا جہاد

انیس احمد فلاحی

مسئلہ فلسطین مسلمانوں کے ان اہم پیچیدہ قومی و دینی مسائل میں سے ایک ہے جو کافی قدیم ہیں۔ اس کے حل کے لئے عربوں کی جانب سے بھی اور اقوام متحدہ کی جانب سے بھی بارہا کوششیں ہو چکی ہیں۔ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے اور مغربی میڈیا بھی یہی باور کراتا ہے کہ مذاکرات ہی فلسطین کا حقیقی حل ہے۔ لیکن یہ رائے درج ذیل اسباب و وجوہ کی بنا پر درست نہیں ہے۔

۱۔ یہودیوں کی سرکشی اور نقض عہد

یہودی فطرۃً ایک سرکش اور متمرد قوم ہے۔ عہد و میثاق کی پامالی ان کی فطرت میں داخل ہے۔ خود ان کی تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ کیمپ ڈیوڈ اور اوسلو معاہدے کی خلاف ورزی اس کی تازہ ترین مثال ہے۔ یہ قوم صرف تلوار اور جلاوطنی کی زبان سمجھتی ہے مذاکرات کی نہیں۔ حتی کہ خود خالق کائنات کو ان سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لینے کے لئے کوہ طور کو ان کے اوپر اٹھانا پڑا تھا۔ ارشاد باری ہے: "و اذ نتقنا الجبل فوقهم كأنه ظلة .... (اعراف: [illegible]) کچھ یاد ہے جبکہ ہم نے پہاڑ کو ہلا کر ان پر اس طرح چھا دیا کہ گویا وہ چھتری ہے اور یہ گمان کر رہے تھے کہ وہ ان پر آپڑے گا اور اس وقت ہم نے ان سے کہا تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامو اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اسے یاد رکھو۔

۲۔ یوروشلم سے ان کی مذہبی اور دینی وابستگی

یہودی عقیدے کے مطابق یوروشلم کا علاقہ اللہ تعالی نے انھیں ابدالآباد کے لئے دے دیا ہے جہاں سکونت اختیار کرنے کا انھیں قانونی، مذہبی اور تاریخی حق ہے۔ اس سے شرعاً دستبردار ہونا ان کے نزدیک جائز نہیں۔ ظاہر ہے جہاں مسئلہ دین و ایمان کا آجائے وہاں مذاکرات کے ذریعہ کسی مسئلہ کا حل کیسے نکالا جا سکتا ہے۔

۳۔ خدا کی چہیتی اور محبوب قوم

یہودی عقیدہ کے مطابق وہ خدا کی چہیتی اور محبوب قوم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کی امامت پر سرفراز کیا ہے۔ یہودیوں کے علاوہ دیگر اقوامِ عالم ناپاک و نجس اور ان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ یروشلم ہی نہیں بلکہ پوری دنیا اور اس کے وسائل خدا نے یہودیوں کے لئے پیدا فرمائے ہیں۔ پروٹوکولات کے بیان کے مطابق یہ پوری دنیا خدا نے ان کے واسطے پیدا کی ہے لہٰذا ان کے جملہ وسائل و ذرائع سے استفادہ اور ان پر جس طرح بھی ممکن ہو قبضہ جمانا خدا کی مشیت کو پورا کرنا ہوگا۔ غور کیجئے کیا ایسی صورت میں یروشلم سے دستبرداری ان کے نزدیک شرعاً جائز ہوگی؟

۴۔ اسلام اور مسلمانوں سے ان کی شدید نفرت

یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ آخری نبی انہیں میں سے بھیجے جائیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فسق و فجور اور سرکشی و طغیان کی بنا پر انہیں منصبِ امامت سے معزول کر کے ان کے چچا کے خاندان "بنو اسماعیل" کو منصبِ امامت پر مامور فرمایا تو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے تئیں حسد و نفرت کے شدید جذبات پیدا ہو گئے جو اسلام کے ظہور و غلبہ کے ساتھ ساتھ مزید پروان چڑھتے گئے حتیٰ کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی اور کلی استیصال کا عزم مصمم کر لیا۔ اسلامی تاریخ کے اوراق اس کے شاہد ہیں۔

مذکورہ بالا امور کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فلسطین کا حل مذاکرات سے نہیں جہاد سے وابستہ ہے۔ اگر جہاد کا سلسلہ جاری رہے اور خودکش بم حملوں کا سلسلہ نہ ٹوٹے تو خوف و دہشت سے ان کے دل پر اور عزم و حوصلے سے یہ خالی ہو جائیں گے۔ موت سے یہ کس قدر ڈرتے ہیں اس کا اندازہ ابھی حالیہ خودکش حملوں کے بعد شمعون پیریز کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے "ہماری اس وقت کی حالت ۱۹۴۸ء کی ہماری حالت سے بھی بدتر ہے۔"

میرا یقین ہے کہ فلسطین میں ان کا یہ اجتماع شاید ان کے ناپاک نسل کے کلی استیصال کا پیش خیمہ ہے۔ وہ دن ضرور آئے گا جب یہ وعدۂ رسول متحقق ہوگا: "لا تقوم الساعة حتى يقتل المسلمون اليهود فيقتلهم المسلمون حتى يختبئ اليهود من وراء الحجر و الشجر فيقول الحجر والشجر يا مسلم يا عبد الله هذا يهودي خلفي فتعال فاقتله الا الغرقد فانه من شجر اليهود ...." (مسلم، کتاب الفتن)

قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک مسلمان یہودیوں سے جنگ نہ کر لیں۔ چنانچہ مسلمان یہودیوں کو قتل کریں گے حتیٰ کہ یہودی درختوں اور پتھروں کی آڑ میں چھپ جائیں گے چنانچہ درخت اور پتھر پکار اٹھیں گے اے عبداللہ یہ میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے آؤ اسے قتل کرو سوائے غرقد کے درخت کے کیوں کہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔

غور کیجئے کیا وہ قوم اسی طرح پھلتی پھولتی رہے گی جس نے پوری دنیا میں سودی کاروبار کو عام کیا، پہلی اور دوسری عالمی جنگیں کرائیں، فواحش کو فروغ دیا، ملحدانہ افکار و نظریات کی آبیاری کی، اخلاق و فضائل کو مٹانے کی بھرپور کوششیں کیں، خاندانی نظام کو درہم برہم کیا۔ مختصر یہ کہ پوری زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیا۔ وہ وقت ضرور آئے گا جب اس غدار، سرکش، متمرد، سودخوار، فضائل و اخلاق دشمن اور اخلاقیات سے عاری اس ناپاک قوم کا کلی استیصال ہوگا۔ ☆☆

گھر کے ہر فرد کے لئے

ایک ہی رسالہ

ایک ادبی، ثقافتی، معاشرتی، بین الاقوامی ماہنامہ

ابصار نئی دہلی

غزلیں، نظمیں، افسانے، ڈرامے، مقالے، انشائیے، شخصیت، اسلامیات، تاریخ اسلام، تاریخ ہند اور اق ماضی، طنز و مزاح، کھیل کی دنیا، فلم، کمپیوٹر، بچوں کے صفحے، خواتین کا صفحہ، صحت، خبریں، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ،

غرض کہ وہ سب کچھ جو آپ کو چاہیئے۔

اگست ۲۰۰۱ء کا شمارہ پڑھنا نہ بھولیں

اگر آپ لکھتے ہیں تو اپنی تخلیقات و زرِ سالانہ ہمیں مندرجہ ذیل پتے پر آج ہی ارسال کرنا نہ بھولیں

پتہ: ۲-اے، عظمیٰ اپارٹمنٹ، ۲-ابی، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

نمونے کی کاپی حاصل کرنے کے لئے چالیس روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں

قیمت فی شمارہ ۳۵ روپے — سالانہ ۳۵۰

بیرونِ ملک

قیمت فی شمارہ ۱۶ ڈالر — سالانہ ۱۶۰ ڈالر

ہدایت کے چراغ

ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ

ابو جلیس ندوی

استاد حدیث، کلیۃ البنات، جامعۃ الفلاح

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑے تو ایسا کہ بیماری نے پھر پیچھا نہ چھوڑا۔ بیماری کی خبر ہوتے ہوتے سارے عرب میں مشتہر ہوگئی۔ اسود عنسی کو معلوم ہوا تو اس کی بد باطنی نے خوشی کی کروٹ لی۔ اس کی عیاری کے سامنے ایک زریں موقعہ تھا کہ دجل و فریب کا کوئی کرشمہ دکھا کر شہرت و عظمت کے آسمان پر پہنچ جائے۔ ایمان و اسلام کا قلادہ فوراً گردن سے اتار پھینکا اور خود نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا۔

بد باطن ہونے کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی زور آور اور تیز دماغ بھی تھا، کہانت اور جادوگری جیسے طلسماتی علوم میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ زبان دانی اور زور بیان میں بھی اس کا مد مقابل نہ تھا۔ گفتگو کا پیرایہ و سلیقہ اتنا دلگیر و دلنشیں تھا کہ سخت سے سخت دل آدمی بھی لمحہ بھر میں اس کا گرویدہ ہو جاتا، اس لئے بڑی آسانی سے عام لوگوں کے دل و دماغ کو وہ مسخر کر لیا کرتا۔ اگر خدانخواستہ کوئی اس طرح زیر دام نہ آتا تو گراں قدر تحائف و عطیات سے اسے رام کر لیتا۔ اپنی شخصیت کو پر اسرار باور کرانے کے لئے بے حجاب ہو کر کسی سے نہ ملتا۔

یمن میں اس کی دعوت کو قبول عام حاصل ہوا۔ اس کا خاندان طاقتور اور بارسوخ تھا۔ اس سے اس کو بڑی مدد ملی۔ فریب کاری اور شعبدہ بازی کے اس دھندے میں اس کے چالاک پیروؤں کے ساتھ اس کی کذابیت نے بڑا سہارا دیا۔ جب بھی باہر نکلتا جلوس کی شکل میں لوگ اس کے ساتھ ہوتے۔ وہ سرتاپا حجاب میں ہوتا اور مجمع عام میں پہنچ کر اعلان کرتا کہ آسمانی فرشتہ آ کر غیبی اخبار و احوال کی اسے خبر دیتا ہے۔

اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے اس نے مختلف طریقے اپنائے۔ ہر جگہ اپنے جاسوس پھیلا دیئے جو لوگوں کی تکالیف، مصائب و آلام، ضروریات و مطالبات اور ان کی احتیاجات کی تفصیل معلوم کرتے اور پوشیدہ طور پر اسے سب کچھ بتا دیتے پھر ضرورت مندوں کو مشورہ دیتے کہ وہ اسود سے

رجوع کریں۔ وہ لوگ پریشانی کے عالم میں اس کے پاس پہنچتے تو کچھ عرض معروض سے پہلے ہی وہ ہر شخص کے مطالبات اور اس کی ضروریات اس کے سامنے رکھ دیتا۔ لوگ خوشی سے ششدر رہ جاتے اور اس کے علم غیب پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ پاتے۔ اس تدبیر سے وہ بڑی عظمت و شہرت کا مالک بن گیا اور اس کے متبعین کی تعداد بے حد و شمار ہوگئی۔ اپنے جاں نثاروں کا بے کراں ہجوم دیکھ کر اس کا حوصلہ بلند ہو گیا چنانچہ انہیں لے کر وہ صنعاء پر قابض ہو گیا پھر صنعاء سے دوسرے علاقوں پر فوج کشی کرتے ہوئے آگے نکل گیا یہاں تک کہ حضر موت سے طائف اور بحرین سے عدن تک کے تمام علاقے اس کے زیر تصرف آ گئے۔

حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کر لینے کے بعد اس نے مخالف طاقتوں کی طرف توجہ کی۔ چونکہ ایمان سے برگشتہ ہو کر ہی حکومت و اقتدار کا اسے موقعہ مل سکا تھا اس لئے طبعاً اہل ایمان ہی سے اسے اندیشہ و خوف بھی زیادہ تھا، وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں گرفتار کرتا اور بزور قوت ان سے اپنی اطاعت کا عہد و قرار لیتا، جو اس کا انکار کرتا اسے ایسی دردناک سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کا زہرہ آب ہو جاتا۔

ابو مسلم خولانیؒ دین و ایمان کی پختگی کی نشانی سمجھے جاتے تھے، لوگوں کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت اور محبت و عظمت کا نقش قائم تھا اس لئے اسود عنسی اپنی حکومت کے لئے ان کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتا تھا۔ اس نے ان کو گرفتار کر لیا اور اتنی سختی سے ان کے ساتھ پیش آیا کہ دیکھنے والوں کے دل دہل گئے لیکن ظلم و ستم کے بے زور ہتھیار جذبۂ ایمان کی حرارت کے آگے موم ہو جاتے۔ اس نے اپنی طاقت و اقتدار کا ایک ایک بل آزمایا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ بے بس ہو کر اس نے صنعاء کے میدان میں لکڑیوں کا انبار جمع کیا اور بزعم خود یہ طے کر لیا کہ ابو مسلم اس آگ کے ڈر سے اطاعت قبول کر لیں گے۔ اس نے عام منادی کرا دی کہ عابد یمن کا منظر توبہ اور اسود کی نبوت کے اقرار کا تماشا سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ مقررہ وقت پر اسود شیطانی کر و فر اور فرعونی خدم و حشم کے ساتھ نمودار ہوا اور آگ کے سامنے رکھے ہوئے شاہی تخت پر بیٹھ گیا۔ حکم ہوا تو فقیہ یمن پابجولاں حاضر کئے گئے۔ کبر و غرور سے اس نے ابو مسلم کو دیکھا پھر انگارے اگلتی آگ کی طرف اپنی آنکھوں سے اشارہ کیا اور کہا:

بتاؤ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ ابو مسلم: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، ان کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا۔

اسود غصے سے تیوری چڑھا کر بولا کیا تم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابو مسلم: میرے کان بہرے ہیں، تمہاری آواز کان میں نہیں آتی۔

اسود: پھر تو دہکتی آگ کا یہ جہنم ترا مقدر ہے۔

ابو مسلم: مجھے آگ میں ڈالا گیا تو یہ لکڑی کی آگ میرے لیے جہنم کی اس آگ سے نجات کا ذریعہ ہوگی جس کے ایندھن لکڑی کے بجائے انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مامور ہوں گے جو اللہ کے حکم سے سرتابی نہیں کریں گے۔

اسود تلملا کر رہ گیا، بولا عجلت پسندی میرا شیوہ نہیں، میں تم کو غور وفکر کی مہلت دیتا ہوں، سوچ لو تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر گرج کر پوچھا بتاؤ میرے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو یا نہیں؟

ابو مسلم: انتہائی باوقار لہجے میں کہتے ہیں ''میں بتا چکا ہوں کہ تمہاری بات کے لیے میرے کان بہرے ہو گئے ہیں۔'' لہجے کی اس صراحت نے اسود کو اندر سے جلا کر رکھ دیا۔ فوراً ان کو آگ میں ڈالنے کا حکم دینا چاہا لیکن اس کا ایک شیطان صفت محافظ آگے بڑھا، سرگوشی کرتے ہوئے اس سے کہا ''آپ کو معلوم ہے کہ یہ شخص کتنا پاکباز اور روحانی طور پر کتنا طاقتور ہے اور خدا کے نزدیک کتنا مستجاب الدعوات ہے؟ ایسا نہ ہو کہ اس امتحان میں اللہ اس کی نصرت فرمائے اور وہ آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے۔ اگر ایسا ہوا تو لوگ آپ کی نبوت کے تعلق سے شک وریب میں مبتلا ہو کر اس کی عقیدت ومحبت کا دم بھرنے لگیں گے اور اگر خدا نخواستہ آگ نے ان کو جلا ہی دیا تو راہ حق میں ان کے صمود وصلابت اور پھر شہادت کا عام چرچا ہوگا، یہ بھی آپ کے لیے مفید نہ ہوگا۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ اس کے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دی جائیں اور اس کو احسان وانعام کا تازیانہ مار کر شہر بدر کر دیا جائے۔

اسود کو یہ مشورہ پسند آیا، فوراً حکم دیا کہ ان کو آزاد کر کے ملک بدر کر دیا جائے۔

بدولت اسود سے رستگاری ملی تو دل میں محبت رسول نے انگڑائی لی انتظار وآزمائش کے جانگداز لمحوں میں جنگی یاد و محبت نے استقامت کا حوصلہ اور اس حوصلے کو زندہ رہنے کا سہارا دیا تھا۔ اب اس کی کشش دل کو بیتاب اور اپنی جانب کھینچ رہی تھی ہر قدم کوئے حبیب کی طرف بے اختیار آگے بڑھ رہا تھا۔ شدید محن کی جہنم سے نکلے تو قلب وروح کی جنت انھیں آواز دے رہی تھی۔ انھوں نے رسول اللہ کو اب تک اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا، لیکن اب شوق دیدار نے آتش محبت تیز کر دی تھی اور کشاں کشاں مدینہ کی جانب بڑھے جا رہے تھے کہ ابتلا وآزمائش کے زخموں کی مرہم کاری مصحف رخ رسول کے دیدار میں مضمر تھی۔

لیکن افسوس ہزار افسوس کہ یہ شیدائے رسول مدینہ کے قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔

وہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے روضۂ اطہر پر حاضری دی، درود وسلام کا نذرانہ پیش کیا۔ اور پھر ایک ستون کی آڑ لے کر نماز پڑھنے لگے نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پوچھا تم کون ہو؟

ابو مسلم: میں یمن کا باشندہ ہوں۔

حضرت عمر: ہمارے اس یمنی حبیب کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ جس کے لیے اسود نے آگ کا الاؤ تیار کیا تھا۔

ابو مسلم: بحمد اللہ وہ بخیر وعافیت ہے۔

حضرت عمر: قسم خدا کی بتاؤ وہ تم ہی تو نہیں ہو۔

ابو مسلم: خدا کی وہ ابو مسلم ہے۔

حضرت نے لپک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر فرمایا کچھ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے دشمن کا کیا حال ہوا؟

ابو مسلم: مجھے کچھ نہیں معلوم۔

حضرت عمر: صحابہ کے ہاتھوں اللہ نے سے جہنم رسید کیا۔ اور اس کے تمام متبعین پھر سے اسلام میں داخل ہو گئے۔

ابو مسلم: اللہ کا شکر واحسان ہے کہ دنیا ہی میں اللہ نے میری آنکھ ٹھنڈی کر دی اور فریب خوردہ مسلمانوں کو از سر نو ایمان واسلام کی دولت نصیب ہو گئی۔

حضرت عمر: اللہ کا بے پایاں شکر وسپاس کہ اس نے ہمیں ایسے سچے مسلمان کی زیارت کرا دی جو اسود اور اس کی بربریت کی زد پر ثابت قدم رہا۔

پھر حضرت عمر ان کو حضرت ابوبکر کے پاس لے گئے۔ جہاں انھوں نے ان کی بڑی تحسین کی۔

مدینہ کے گہوارۂ رحمت میں بود و باش اور مسجد نبوی میں قیام و قعود، رکوع و سجود، اور روضۂ اطہر پر سلام و درود پیش کرنے کی تمنا کامیاب ہوچکی تو اسلامی سرحدوں کی مورچہ بندی کے لیے وہ شوقِ شہادت کے لئے شام پہنچے تاکہ رومیوں سے جنگ کی نفیر عام ہو تو جہاد فی سبیل اللہ کی مہم میں شریک ہو کر رضائے الٰہی کے لئے اپنی زندگی کی متاع بھی قربان کر کے سرخرو ہو سکیں۔ پھر کچھ دنوں بعد جب امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے پاس کثرت سے آنے جانے اور ان کی مجالس دید و جدال میں شریک ہونے لگے۔ اس دوران امیر معاویہ کے ساتھ ان کے تلخ و ترش متعدد واقعات پیش آئے۔ یہ واقعات ان دونوں کی عظمت و رفعت کے متعدد پہلو اجاگر کرتے ہیں۔ آیئے ان واقعات کو پڑھ کر ان کی عظمتوں کا ہم بھی کچھ اندازہ لگائیں۔

ایک بار قصرِ خلافت میں مجلس آراستہ تھی۔ حکومت کے اعیان و اشراف، افسران و عہدیداران، قائدین و سپہ سالار، مختلف قبیلوں کے ناموران با عزوشرف کی موجودگی سے مجلس بڑی باہیبت ہوگئی تھی۔ امیر معاویہؓ مجلس کے صدر نشین تھے۔ اچانک ابو مسلم خولانی بھی وہاں پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے امیر معاویہؓ کی تعظیم و توقیر میں غلو دیکھا تو تڑپ گئے کہ یہ چیزیں دین کے لئے حد درجہ خطرناک تھیں۔ اس غلو پسندی کے خلاف انھوں نے فوراً احتجاج کیا اور امیر معاویہؓ کو یوں مخاطب کیا:

اے اجیر المومنین! اے مسلمانوں کے مزدور! السلام علیک۔

حاضرین مجلس جو ان کے احترام میں فرشِ خاک بچھا رہے تھے فوراً چیخ پڑے۔ "ابو مسلم! اجیر المومنین کے بجائے امیر المومنین کہیئے۔" ابو مسلم نے ان کی بات کی کوئی پروا نہ کی اور پھر دوبارہ ان کو اسی طرح مخاطب کیا: "اے مسلمانوں کے مزدور!"

لوگوں نے ان کو سختی سے ٹوکا کہ اجیر و مزدور کہنے کے بجائے امیر کہیں، لیکن بار بار ٹوکنے کے باوجود وہ اسی طرح ان کو مخاطب کرتے رہے۔ تب امیر معاویہؓ نے لوگوں سے کہا:

ابو مسلم سے تعرض نہ کرو، وہ جو کچھ کہتے ہیں کہنے دو۔ تب ابو مسلم نے کہا:

اے معاویہ! خلافت کی ذمہ داری کا بار اٹھانے کے بعد آپ کی مثال ایک مزدور کی جیسی ہوگئی جسے اپنی بکریوں کی نگہداشت کے لئے اس کے مالک نے اجرت پر رکھا ہے۔ اگر وہ ان کی دیکھ بھال اچھی طرح کرے تو وہ ان کی مزدوری زیادہ دے گا اور اگر ایسا نہ کرے تو مزدوری میں کمی

کردے گا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ ان میں سے جو طریقہ چاہیں اپنائیں۔

امیر معاویہؓ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

ابو مسلم! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ واقعہ ہے کہ آپ اللہ اور رسول اور تمام مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔

ایک دوسرا واقعہ یوں ہے کہ ابو مسلم دمشق کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے پہنچے، دیکھا تو امیر معاویہؓ خطبہ دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ایک نہر کی کھدائی کی جارہی ہے تاکہ پینے کے پانی کی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ابو مسلم نے مجمع عام میں ان کو مخاطب کر کے کہا: اے معاویہؓ یاد رکھو آج نہیں تو کل آپ کو مرنا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہاں آپ کو کچھ ملے تو وہ چیز یہیں سے لے جانی ہوگی۔ مبادا وہاں آپ تہی دست ہو کر پہنچیں کہ وہاں کی محرومی بہت بڑی محرومی ہوگی۔ اے معاویہؓ! اس خوش گمانی میں نہ رہیں کہ نہر کھودنا اور مال و دولت جمع کرنا ہی خلافت کی اصل ذمہ داری ہے۔ خلافت کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ حق قائم کیا جائے عدل و انصاف عام ہو اور اللہ کی رضا حاصل کرنے میں لوگوں کی مدد کی جائے۔

> اے معاویہؓ!
> یاد رکھو آج نہیں تو کل آپ کو مرنا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہاں آپ کو کچھ ملے تو وہ چیز یہیں سے لے جانی ہوگی۔ مبادا وہاں آپ تہی دست ہو کر پہنچیں کہ وہاں کی محرومی بہت بڑی محرومی ہوگی۔ اے معاویہؓ اس خوش گمانی میں نہ رہیں کہ نہر کھودنا اور مال و دولت جمع کرنا ہی خلافت کی اصل ذمہ داری ہے۔ خلافت کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ حق قائم کیا جائے۔ عدل و انصاف عام ہو اور اللہ کی رضا حاصل کرنے میں لوگوں کی مدد کی جائے۔

اے معاویہؓ! نہروں کا پانی صاف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ہر وہ اصل سرچشمہ صاف شفاف رہے۔ یاد رکھئے خلیفہ ہونے کے بعد آپ ہی امت کے خیر و صلاح کا سرچشمہ ہیں۔ کوشش کیجئے کہ یہ سرچشمہ آلائشوں سے پاک و صاف ہی رہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے کہ اگر ایک آدمی پر بھی ظلم ہوا تو یہ آپ کے عدل و انصاف کے تمام کارناموں پر پانی پھیر دے گا۔ اس لئے ظلم سے بچئے

کہ قیامت کے دن کی تاریکی ہے۔ ابو مسلم اپنی بات کہہ چکے تو امیر معاویہؓ منبر سے اترے اور کہا:

ابو مسلم اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ مسلمانوں کے بہت مخلص ہیں۔

اسی طرح ایک بار کا ذکر ہے کہ امیر معاویہؓ خطبہ دینے کے لئے منبر پر پہنچے، جیسے ہی خطبہ شروع کیا ابو مسلم نے ٹوکا:

اے معاویہؓ! جن لوگوں کے عطیات آپ نے روک لئے ہیں ان کے روکنے کی وجہ بتائیے۔ کیوں کہ وہ مال آپ کا یا آپ کے باپ دادا کا نہیں، اس لئے لوگوں کو اس سے محروم کرنا آپ کے لئے جائز نہیں۔

امیر معاویہؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا، لوگ سہم گئے کہ اب غیظ و غضب کی آگ برسنے والی ہے۔ امیر معاویہؓ نے غصہ سے اشارہ کیا کہ کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ پھر منبر سے اترے، وضو کیا اور اپنے اوپر تھوڑا پانی بہایا، پھر منبر پر جا کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا:

ابو مسلم کی یاد دہانی کا شکریہ، سچ ہے کہ مال و دولت نہ میرا ہے، نہ میرے باپ دادا کا، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ غصہ و غضب شیطانی خصلت ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو ٹھنڈا کرتا ہے، اس لئے جس کو غصہ آجائے وہ غسل کرلے۔ جن لوگوں کے عطیات روک دیئے گئے ان کے عطیات جاری کئے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جائیں اللہ کی برکت سے اپنے عطیات حاصل کرلیں۔ اللہ ابو مسلم کو جزائے خیر سے نوازے۔ کہ حق کے اعلان و اظہار کی جرأت میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔

اور اللہ امیر معاویہؓ سے خوش ہو کہ حق کے سامنے سرنگوں ہو جانے میں وہ ایک نمونہ تھے۔ ☆☆

اصولی مباحث

فن جرح و تعدیل ایک مختصر تعارف (۱)

ڈاکٹر حافظ احمد امان
(شیخ الحدیث: دوحہ قطر)

امت اسلامیہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت اس کی تاریخ و سیرت کا سلسلہ سند کے ذریعہ روایت کیا جانا ہے، یہ وہ فضیلت ہے جس سے دوسری قومیں محروم ہیں، جس کے نتیجہ میں انکی زیادہ تر کتابیں ضائع ہو گئیں، اور باقی ماندہ تحریف کا شکار ہو گئیں، اخبار و روایات کے باب میں سندوں کا لحاظ کرنا ہماری تہذیب و ثقافت کا ایک عظیم حصہ رہا ہے۔ لہذا انکی حفاظت کرنا اور اس کا پاس و لحاظ کرنا ہم پر واجب ہے، ابو علی الجیانی فرماتے ہیں:

"خص اللہ تعالی هذه الامة بثلاثة اشياء لم يعطها من قبلها من الأمم:
الاسناد، والانساب والاعراب" (قواعد التحدیث: محمد جمال الدین قاسمی ص ۸۵)

اللہ تعالی نے اس امت کو تین ایسی خصوصیات سے نوازا ہے جن سے دوسری امتیں محروم ہیں، سلسلہ سند، حسب و نسب کی حفاظت اور اعراب۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں "ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم"
(کتاب المجروحین، ابن حبان: ص ۲۱)

روایات کا علم دین کا ایک اہم جزء ہے لہذا یہ دیکھو کہ تم کس سے روایت کر رہے ہو۔

سند کے باب میں سب سے زیادہ اہمیت فن جرح و تعدیل کی ہے جس کے ذریعہ سلسلہ سند میں آئے ہوئے راویوں کی دیانت و امانت، حفظ و اتقان یا سوء حفظ وغیرہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ وہ امور ہیں جن پر سند کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا علم موقوف ہے۔

جرح و تعدیل کی تعریف:

جرح: راوی کا ایسی صفت کے ذریعہ ذکر جو اس کی روایات کے مردود ہونے کی متقضی ہوں۔

تعدیل: راوی کا ایسی صفات کے ذریعہ تذکرہ جو اس کی روایات کے مقبول ہونے کی متقضی ہوں۔

حکم : جرح و تعدیل (یعنی راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا علم) تو ہر اس شخص پر واجب ہے جو مسلسل سند اور جرح و تعدیل کے قواعد کا ماہر ہو۔ کیونکہ دین کی حمایت ہر مسلمان پر شرعاً واجب ہے اور چونکہ سنت دین کا ایک بنیادی رکن ہے۔ لہٰذا سنت کی حمایت مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے، بایں طور کہ ان کے راویوں کے احوال جرح و مدح کو بیان کیا جائے تاکہ حدیث کی صحت یا اس کے ضعف پر حکم لگایا جاسکے۔

جرح و تعدیل کی مشروعیت: جرح و تعدیل کی مشروعیت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے "یاایہا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا" اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فاسق و فاجر اشخاص کی پیش کردہ روایت اور خبروں کو بلا تحقیق قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح متعدد آیات میں منافقین کی مذمت کی گئی ہے اور مخلصین کی تعریف کی گئی ہے۔

جرح و تعدیل متعدد احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اس قبیل کی چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ سہل بن سعد ساعدیؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مالدار شخص آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرا آپ نے حاضرین سے پوچھا یہ کیسا شخص ہے انہوں نے جواب دیا یہ ایسا شخص ہے کہ اگر کہیں پیغام نکاح بھیجے تو لوگ قبول کریں اگر کسی کی سفارش کرے تو لوگ مان لیں، اگر کوئی بات کرے تو لوگ متوجہ ہو کر سنیں۔ سہل کہتے ہیں کہ یہ سن کر آپ خاموش ہو رہے۔ اس کے بعد ایک اور شخص گزرا (جعیل بن سراقہ) جو مسلمانوں میں غریب اور محتاج آدمی تھا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا یہ کیسا شخص ہے، انہوں نے کہا یہ تو ایسا شخص ہے اگر کہیں شادی کا پیغام بھیجے تو کوئی قبول نہ کرے اگر کسی کی سفارش کرے تو کوئی نہ مانے اگر بات کرے تو کوئی دل لگا کر نہ سنے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ اکیلا پہلے شخص جیسے دنیا بھر سے بہتر ہے۔

(بخاری کتاب النکاح ۷ر۱۰)

۲۔ حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ برا آدمی ہے جب وہ اندر آکر بیٹھ تو آنحضرت ﷺ اس سے کھل کر خندہ پیشانی سے ملے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ ﷺ نے تو

پہلے اس کو دیکھتے ہی یوں فرمایا تھا کہ یہ برا آدمی ہے، پھر آپ اس سے کھل کر خندہ پیشانی سے ملے، آپ نے فرمایا عائشہ تو نے کب مجھ کو بدزبانی کرتے ہوئے پایا۔ سب سے برا آدمی اللہ کے نزدیک قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدی سے لوگ ڈر کر اس کی ملاقات چھوڑ دیں۔

(بخاری شریف باب رقم ۵۹، حدیث رقم ۶۶۹)

۳۔ طلحہ بن عبید اللہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو بن العاصؓ قریش کے بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ (ترمذی)

اسی طرح آپ نے بعض احادیث میں پورے پورے قبائل کی فضیلت بیان کی ہے، امام مسلمؒ اپنے مقدمہ میں اسی قبیل کی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے بعض افراد کی تعریف و تعدیل اور بعض کی جرح کر کے صحابہ کے لئے روایت کی جانچ کا ایک طریقۂ کار فراہم کر دیا کیونکہ خبریں امر و نہی اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہوتی ہیں تو اگر راوی صادق و امین نہ ہو اور اس کی وضاحت نہ کی جائے تو اس امر کا امکان ہے کہ کہیں کوئی شخص اس سے استدلال نہ کرنے لگے درانحالیکہ وہ روایت بے بنیاد ہو۔

جرح و تعدیل کی مختصر تاریخ

عہد صحابہ : صحابہ کرام تمام کے تمام عادل ہیں۔ کسی صحابی سے آپ ﷺ کی جانب جھوٹ کی نسبت ثابت نہیں لیکن اس کے باوجود بھی کبار صحابہؓ غریب احادیث کو قبول کرنے میں حد درجہ تثبت و احتیاط سے کام لیتے کہ مبادا کسی غلط فہمی کی بناء پر کوئی غلط بات دین میں داخل نہ ہو جائے۔ اس احتیاط و تثبت کے درمیان کبھی کبھی ان کی زبان سے کسی راوی کے حق میں یہ جملہ بھی صادر ہو جاتا "تہمت" جس کا مطلب انکے نزدیک یہ ہوتا کہ آپ اس روایت کے بیان میں غلطی کا شکار ہو گئے ہیں۔ صحابہ کرام میں سب سے پہلے شخص ابوبکر الصدیقؓ ہیں جنہوں نے احتیاط کے اس نہج کی بنیاد رکھی، چنانچہ ایک میت کی دادی آپ کے پاس ترکہ میں اپنے حصہ کے متعلق پوچھنے آئیں تو آپ نے یہ مسئلہ صحابہ کے سامنے رکھا مغیرہؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت نے دادی کا حصہ ⅙ مقرر کیا ہے۔ اس پر ابوبکر الصدیقؓ نے شہادت طلب کی چنانچہ محمد بن مسلمہؓ نے اس کی شہادت دی۔ (تذکرۃ الحفاظ للذھبی ۱ر۲)

بحث ونظر

انبیائی اسلوب دعوت

مولانا مقبول احمد فلاحی
معاون مہتمم جامعۃ الفلاح

دعوت الی اللہ ایک انتہائی اہم مقدس انبیائی فریضہ ہے جس کی کامیابی کے لئے جہاں ایک جانب داعی حق کا صبر واخلاص اور صدق واستقامت کی صفات کا حامل ہونا ضروری ہے وہیں دوسری جانب اس کا انبیائی اسالیب دعوت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے نیز انبیائی اسالیب دعوت سے بھی عمل اس کی طبیعت کی پاکیزگی ونورانیت، اس کے اندر خیر وشر کی تمیز کی صلاحیت اور پوری انسانیت کی بھلائی کے لیے شدید تڑپ کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ اندرون کی ان خوبیوں کے نتیجے میں قول وعمل کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ خود بنا ایک دلنشین اسلوب دعوت بن جاتی ہے اور ایسے ایسے راستے نکالتی ہے جس کو بادی النظر میں سمجھا بھی نہیں جا سکتا ہے۔ قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کے مطالعہ سے انبیاء کرام کے جو دعوتی اسلوب سامنے آتے ہیں انہیں درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ **طرز تخاطب:** انبیاء کرام کا اسلوب خطاب قرآن کریم نے "یا قوم" بتایا ہے۔ تمام انبیاء کرام نے اپنے مخاطبین کو "اے میری قوم کے لوگوں سے خطاب کیا ہے، کیوں کہ اس طرز تخاطب میں جو اپنائیت ہے وہ مخاطب کو غور وفکر پر آمادہ کرتی ہے۔ پھر ہر نبی نے اپنی قوم سے عمومی خطاب کے ساتھ ساتھ سرداران قوم کو بھی اپنا خصوصی مخاطب بنایا ہے۔ وقت کے سماجی، سیاسی اور مذہبی قائدین کو اپنا اولین مخاطب بنایا ہے کیوں کہ ان کی اصلاح پر پوری قوم کی اصلاح موقوف ہے۔

آپ ﷺ کی رسالت اور دعوت چونکہ عام تھی اس لیے آپ ﷺ نے "یا قوم" کے ساتھ ساتھ "یا ایھا الناس" (اے لوگوں) سے خطاب فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "یا قوم" کے بجائے یابنی اسرائیل کا طرز خطاب اختیار فرمایا کیوں کہ ان کا کار نبوت اصلاحی اور دعوتی نوعیت کا تھا۔

۲۔ کار نبوت کی انجام دہی میں بغرض اصلاح یا بغرض کار رسانے کے لیے انبیائی اسلوب "الاقرب فالاقرب" کا رہا ہے۔ (یعنی قریب ترین شخص کو سب سے پہلے دعوت دینا) اس کے لیے خواہش کوشش، طلب اور دعا تمام ہو ملیں گی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے کی ہدایت کے لئے دعاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اہل وعیال کو آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے کی دعاء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ نبی بنائے جانے کی طلب، حضور اکرم ﷺ کو "وانذر عشیرتک الاقربین" کا حکم (یعنی اپنے قریبی اہل خاندان کو ڈرائو) حضرت لقمان علیہ السلام کی بیٹے کو نصیحت اس حقیقت کی واضح دلیل ہے۔

۳۔ **بے غرض دعوت:** انبیائی اسلوب دعوت کی ایک اہم خصوصیت ان کی دعوت کا بے غرض ہونا ہے۔ داعی کی آواز میں اخلاص اور زور اسی وقت ممکن ہے جب وہ بے لاگ یہ فریضہ انجام دے۔ اسی لیے اکثر انبیاء کرام کی زبان سے اس طرح کے اقوال ملیں گے۔

"یاقوم لا اسئلکم علیه من أجر ان اجری الا علی الله" داعی گروہ کو اس امر پر باریک بینی سے نظر رکھنی چاہئے کہ دعوت کے ساتھ مطالباتی سیاست دخیل نہ ہو ورنہ کار دعوت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۴۔ **قوم کی زبان میں کاررسالت کی انجام دہی:** مدعو قوم کی زبان کا استعمال اور اس کے لب ولہجہ میں دعوت دینا انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔ ارشاد باری ہے "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم" ظاہر ہے جو شخص "مدعو قوم کی زبان، تہذیب، ثقافت مزاج، رجحان، لب ولہجہ وغیرہ سے ناواقف ہوگا وہ ان کے سامنے حق کی وضاحت صاف صاف نہیں کر سکتا لہذا ہر داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دائرہ دعوت کے تحت اس زبان کا استعمال کرے جو مدعو قوم بولتی ہے، اس تقدیر خاطر خواہ توجہ نہ دینے سے بڑی قیمت اور محنت کی چیزیں بے معنی ثابت ہونے لگتی ہیں۔

۵۔ **دعوت میں تدریج:** انبیاء کے اسلوب دعوت میں سب سے نمایاں چیز یہ ملتی ہے کہ ان کی دعوت کا آغاز اصولوں اور بنیادی عقائد کی تعلیم سے ہوتا ہے، کیوں کہ بنیادی عقائد اور اصولوں سے ہٹ کر نہ ہی ستون کھڑے کیے جا سکتے ہیں اور نہ ہی عمارت کی تشکیل ہو سکتی ہے۔

نیز بسا اوقات جزئیات اور فروعات پر گفتگو کرنے سے دعوتی کام میں سخت رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی نے فروعات پر گفتگو سے پہلے سب سے بنیادی چیز "بندگی رب" کی جانب دعوت دی ہے۔

٦۔ بنیادی حقائق سے دعوت کا آغاز: انبیاء کرام کی دعوت کی ایک انتہائی اہم خصوصیت مسلمہ حقائق سے اپنی دعوت کا آغاز ہے اور ان حقائق کے دلائل بھی سادہ اور سیدھا انداز میں دیے گئے ہیں، جنہیں ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، منطقی استدلال اور صغری و کبری کا طرز استدلال آپ کو ان کے یہاں نہ ملے گا۔

٧۔ معاشرتی مسائل کا حل: انبیاء کرام نے جہاں لوگوں کے عقائد کو درست کرنے کی کوشش کی وہیں انھوں نے معاشرتی مسائل کی جانب بھی بھرپور توجہ دی۔ تمام انبیاء نے اپنی قوم کے دائرے میں پھیلی ہوئی معاشی معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور سیاسی کمزوریوں پر انگلی رکھ کر نشاندہی کی اور اس سے مجتنب رہنے کی واضح الفاظ میں تلقین فرمائی ہے۔ لہذا ہر داعی کو چاہیے کہ وہ ایک طرف دل و دماغ کی دنیا میں انقلاب لانے کی کوشش کرے تو وہیں دوسری جانب غلط عقائد کی بنا پر پیدہ شدہ حالات کا بھی تذکرہ کر کے اصلاح حال کی دعوت دے۔

٨۔ اپ ٹو ڈیٹ ذرائع کا استعمال: انبیاء کرام نے اپنے ادوار کے مروج اور اس وقت کے جدید ترین ذرائع نشر و اشاعت کو اختیار کر کے دعوت کا کام کیا ہے۔ چنانچہ خود آپ ﷺ نے خطرات سے متنبہ کرنے کے اس وقت کے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے کوہ صفا پر چڑھ کر عذاب الہی سے لوگوں کو متنبہ کیا۔

لہذا داعی گروہ کو چاہیے کہ اپنے دور کے مروج اور جدید ترین ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ انجام دے۔

٩۔ مشترک اقدار سے دعوت کا آغاز۔ انبیاء کرام نزاعی امور سے بات شروع کرنے کے بجائے مشترک اقدار سے ان کے بدیہی نتائج مخاطب کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس کی واضح مثال حضور ﷺ کا کفار و قریش سے دعوتی گفتگو میں ان کے یہاں مروج اخلاقی قدروں سے استدلال ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ان قیدی ساتھیوں سے جو بادشاہ

کے دعویدار تھے ان الفاظ میں گفتگو کرنا (أأرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار) (کیا بہت سے خدا بہتر ہیں یا وہ اللہ جو اکیلا اور سب سے زور آور ہے) اس کی واضح دلیل ہے۔

١٠۔ کار دعوت میں بنیادی اصول جو تمام ہی انبیاء کرام کے سامنے رہا ہے اس کی انتہائی حسین تصویر اس آیت میں پیش کی گئی ہے۔ "ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة" (اپنے رب کی طرف حکمت اور بہتر انداز گفتگو کے ذریعہ بلاؤ۔ حکمت کے اندر مخاطب کی نفسیات کا لحاظ وغیرہ داخل ہے اور موعظہ حسنہ کی بنیاد سوز دروں، انسانیت کی ہدایت کے لئے درد، جہنم سے بچانے کی شدید تڑپ ہے، اس کا اظہار گفتار و کردار اور مختلف انداز سے ہوتا ہے اور پھر وہ موعظہ حسنہ کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔

١١۔ انذار و تبشیر کا اسلوب

انبیائے کرام اپنے مخاطب کو صحیح روش اختیار کرنے پر بشارت دیتے اور بغاوت و سرکشی کے انجام بد سے انذار کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ انذار و تبشیر انبیائی اسلوب دعوت میں بہت ہی اہمیت کا حامل اسلوب ہے۔ لیکن بنظر غائر مطالعہ کریں تو انذار کا پہلو تبشیر پر غالب ہے۔ اس قبیل کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

"وأنذرهم يوم الحسرة" اور اے نبی ﷺ ان کافروں کو حسرت و ندامت کے دن سے ڈرایئے۔

"يا ايها المدثر قم فأنذر" اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! اٹھو اور عذاب الہی سے ڈرا دو۔

"وأنذر عشيرتك الأقربين" اور اے نبی ﷺ اپنے قریبی اہل خاندان کو ڈرایئے۔

لہذا ان آیات کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ راہ خدا سے دوری کا دنیوی اور اخروی نقصان پورے زور و شور کے ساتھ اور پوری جزئیات و تفصیلات کے ساتھ بیان کرنا چاہیے۔

١٢۔ دعوت الی اللہ

انبیائی دعوت کا ایک بنیادی اصول یہ رہا ہے کہ ہر مرحلے میں دعوت کا رخ انھوں نے اللہ

کے لئے خالص رکھا ہے۔ اس میں اپنی ذات، برادری، قوم کسی چیز کو حائل نہیں ہونے دیا ہے اس لئے کہ رب کا تصور انسانی فطرت کی مانگ ہے۔ اس انسانی فطرت کی تکمیل انسان کے قلب کی آواز ہوتی ہے وہ دعوت، دعوت نہیں کہی جاسکتی جس میں کوئی جماعت یا فرد اپنے یا کسی شیخ کی طرف بلائے حتیٰ کہ حضورﷺ اپنی طرف اور صحابہؓ آپ کی طرف لوگوں کو نہ بلاتے تھے۔ ارشاد باری ہے" و ربک فکبر" اور صرف اپنے رب ہی کی کبریائی بیان کیجئے۔

۱۴۔ حضورﷺ کا ایک اہم بنیادی اسلوب دین کو انسانی فطرت وضرورت سے ہم آہنگ بنا کر پیش کرنا ہے۔ دین کو اس کے آسان ترین اور سادہ روپ میں پیش کیا جائے اس کو جٹک اور پیچیدہ بنانا دعوتی نقطۂ نظر سے بے حد مضر ہے۔ ارشاد رسولﷺ ہے" بشروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا" لوگوں کو بشارت دو خوش خبری کیجانب بلاؤ متنفر نہ کرو، دین کو آسان بنا کر پیش کرو اسے مشکل نہ بناؤ۔

۱۴۔ موقع ومحل کی تلاش

مناسب موقع سے گفتگو دلوں کو متاثر کرتی ہے۔ بے موقع دعوت دینے سے احتراز کیا جائے کیوں کہ اس سے مدعو ہمیشہ کے لئے متنفر ہوسکتا ہے۔

۱۵۔ بقدر قبولیت دعوتی کام کی انجام دہی

ایک داعی کو ماہر طبیب کی طرح ہونا چاہئے جو مریض کو بقدر ضرورت دوائیں دیتا ہے نیز ہر مریض کے مرض کے اعتبار سے اس کی کمیت میں کمی وبیشی کرتا ہے ٹھیک اسی طرح ایک داعی کو بھی مدعو کی طلب وخواہش کے مطابق دین کے ارکان وعقائد سمجھانا چاہئے۔ ایک وقت پورے دین کی تفہیم کرا دینا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مفید۔

۱۶۔ دعوت کے ہم رنگ کردار پیش کر

دعوت الی اللہ کی بنیادی شرط داعی کا پیکر عمل بننا ہے۔ سیرت وکردار سے دعوت کا جو کام منٹوں میں ہوسکتا ہے وہ بے عمل داعی کی سیکڑوں تقریروں سے نہیں ہوسکتا۔

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو   پیکر عمل بن کر غیب کی صدا بن جا

۱۷۔ استقلال واستمرار

دعوت کی کامیابی کے لئے داعی کا اپنے موقف پر جمے رہنا اور اس راہ میں آنے والی جملہ پریشانیوں پر صبر کرتے ہوئے دعوت کے کام کو مسلسل جاری رکھنا ضروری ہے۔ دعوت میں مداومت واستمرار سے دلوں میں نفوذ کی راہیں اسی طرح ہموار ہوتی ہیں جس طرح کسی پتھر پر پانی کے قطرات کے مسلسل گرنے سے اس میں نفوذ کی راہیں بنتی ہیں۔

۱۸۔ واقعات، تمثیلات اور استعاروں سے اپنی بات کو سمجھانا جس سے مخاطب بات کو گرفت کر سکے۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے انبیائی اسلوب دعوت میں دو طرح کی چیزیں نظر آتی ہیں بعض امور ومسائل وہ ہیں جو تمام انبیاء کے یہاں قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں اور بعض معاملات میں تدریجی تسلسل کے ساتھ ایک طرح کا ارتقاء نظر آتا ہے۔ مثلاً "یا قوم اعبدوا اللہ" کو لیجئے اس میں اعبدوا اللہ۔ بندگی رب کی جانب دعوت تمام انبیاء کے یہاں بطور قدر مشترک ہے لیکن یا قوم (اے میری قوم کے لوگو) میں ارتقاء نظر آتا ہے جو حضورﷺ کے خطاب میں "یا ایھا الناس اعبدوا ربکم" ملتا ہے (یعنی اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو) گویا "یا قوم" کے طرز تخاطب سے مدعو کی جو محدودیت تھی اس میں وسعت آگئی۔ تمام انبیاء مخصوص ادوار میں مخصوص خطے کے درمیان مبعوث کئے گئے ہیں لہذا "یا قوم" کا خطاب ان کے لئے موزوں تھا مگر حضور اکرمﷺ ایسے دور میں مبعوث ہوئے جب تاریخی تسلسل محدودیت سے وسعت کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا لہذا وہاں خطاب میں وسعت ہے۔ اسی طرح مختلف انبیائے کرام کی دعوت میں بندگی رب کی دعوت کے ساتھ کسی مخصوص معاشرتی خرابی کا تذکرہ ملتا ہے جب کہ حضور اکرمﷺ کی دعوت میں بے شمار معاشرتی خرابیوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس کا سبب بھی تاریخی تسلسل رہا ہے۔ اس پوری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپؐ کی دعوت کی حامل وامین قوم یعنی امت مسلمہ کا دائرۂ کار پورا عالم ہے امت مسلمہ کا طرز تخاطب کیا ہوگا اور بندگی رب کے ساتھ معاشرتی خرابیوں پر نکیر کی شکل کیا ہوگی۔ اس سلسلہ میں انبیائی اسلوب یہ بنے گا کہ عالمی اسلامی تحریک "یا ایھا الناس" کے

ذریعہ پورے عالم انسانیت کو مخاطب بنائے گی اور فرق مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے تمام سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی خرابیوں پر اظہار نکیر کرے گی۔ اور مختلف ممالک کی اسلامی تحریکات کے سامنے ان کے برادران وطن ان کی قوم کی منزلت میں ہونگے اور اس ملک میں پائی جانے والی نمایاں خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی اس طرح ریاست، علاقے اور نچلی سطح تک بلکہ ایک ایک فرد تک بات پہونچ جائے گی اور بندگی رب کی دعوت ہر سطح پر باقی رہے گی اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔

موجودہ دور میں دعوت اسلامی کا طریقہ یہ ہوگا کہ عالمی اور علاقائی پیمانے پر پھیلی ہوئی معاشرتی خرابیوں کو اٹھا کر ان کو مٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ ان کے نقصانات عام کئے جائیں گے اور ان کے تئیں عالمی بیداری پیدا کی جائے گی اور پورے عالم میں کمزور، مظلوم اور بے سہارا لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی جائے کہ بعثت انبیاء کا اہم مقصد انصاف کا قیام ہے۔

دعوت اسلامی کو موثر بنانے کے لئے بنیادی عقائد پر آفاق و انفس کے دلائل سے استدلال کیا جائے اور ہر ہر عقیدہ کو جدید سائنسی تجربات اور اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا جائے۔ اس ضمن میں مولانا وحیدالدین خاں کی کتاب، علم جدید کا چیلنج کافی عمدہ کتاب ہے۔ داعیوں کے لئے اس سے استفادہ بے حد مفید ہوگا۔ ضرورت ہے کہ علماء و مفکرین اس پہلو پر توجہ دیں اور مستقل غور و فکر کرکے اس پر ٹھوس علمی کتابیں منظر عام پر لائیں۔ ☆☆

☆ مضمون نگار حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنی تحریر کاغذ کے ایک جانب صاف اور خوش خط تحریر فرمائیں۔

بحث ونظر

قرآن کی پہلی ہی آیت میں حکومت الٰہیہ کی فکر

مفتی کلیم رحمانی

دور حاضر میں بہت سے مسلمانوں کے درمیان جو دینی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس کے تحت کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہم مکی دور سے گذر رہے ہیں، اور مکی دور میں اسلام کے پاس حکومت الٰہیہ کی کوئی فکر نہیں تھی اسلئے ہمیں بھی اس وقت حکومت الٰہیہ کی بات نہیں کرنی چاہیے، جبکہ یہ خیال اسلام کی بنیادی تعلیم سے ناواقفیت پر مبنی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء ہی حکومت الٰہیہ کی فکر سے ہوئی، چنانچہ غار حرا میں آنحضور ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکومت الٰہیہ کی فکر کو پیش کر دیا۔

ارشاد ربانی ہے اقرا باسم ربک الذی خلق (علق ۱)

ترجمہ (اے محمد ﷺ) پڑھو تیرے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

مذکورہ آیت قرآن کی ان پانچ آیات میں سے ایک ہے جو آنحضور ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہوئیں جبکہ آپ ﷺ غار حرا میں تھے، اس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو انسانوں کے رب کی حیثیت سے پیش کیا، ساتھ ہی اس میں یہ مطالبہ بھی پوشیدہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانیں۔

ربوبیت اللہ تعالیٰ کی ایک جامع اور بڑی صفت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات شامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے آپ کو زیادہ تر رب ہی کی حیثیت سے بیان فرمایا اور رب ہی کی حیثیت سے ماننے اور یاد کرنے کا حکم دیا، یوں تو صفت رب میں اللہ تعالیٰ کی تمام ہی صفات کا کچھ نہ کچھ مفہوم شامل ہے، لیکن صفت رب میں اللہ تعالیٰ کی جن دو صفات کا غلبہ ہے وہ صفت حکمرانی اور صفت قانون سازی ہیں، چنانچہ لفظ رب عربی زبان میں بادشاہ اور قانون ساز کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لفظ رب، بادشاہ اور قانون ساز کے معانی میں استعمال ہوتا ہے، بطور نمونہ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

سورہ یوسف میں ارشاد ربانی ہے۔ یا صاحبی السجن اما احد کما فیسقی ربه خمرا و اما الاخر فیصلب (یوسف ۴۱) ترجمہ (کہا یوسف علیہ السلام) نے اے جیل کے ساتھیو بہر حال تم دونوں میں سے ایک اپنے رب یعنی بادشاہ کو شراب پلائیگا اور دوسرا ایسی سولی دیا جائے گا۔

آیت مذکور کا پس منظر یہ ہے کہ یوسفؑ جب بے قصور جیل میں ڈال دیے گئے تو آپ کے ساتھ دو نوجوان بھی جیل میں ڈالے گئے، یہ دونوں نوجوان بادشاہ مصر کے ملازم تھے، ان میں سے ایک ساقی تھا اور ایک باورچی، دونوں اس الزام میں جیل میں ڈالے گئے کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے میں یا پینے میں زہر دینے کی کوشش کی۔

ان دونوں نے جیل میں خواب دیکھا اور یوسفؑ سے اپنا اپنا خواب بیان کیا اور ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھی، یوسفؑ نے پہلے ان کے سامنے اسلام کی بنیادی دعوت پیش کی اور پھر ان کے خوابوں کی تعبیر بتائی جو مذکورہ آیت میں بیان ہوئی ہے، اور یوسفؑ کو جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے اور بادشاہ کے پاس اپنی سابقہ خدمت پر بحال ہونے والا ہے تو اس سے یوسفؑ نے بادشاہ کے پاس اپنا تذکرہ کرنے کو کہا تھا جو اسی سورت کی آیت ۴۲ میں مذکور ہے، اس آیت میں بھی دو جگہ رب کی نسبت بادشاہ مصر کی طرف کی گئی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے و قال للذی ظن انه ناج منهما اذکرنی عند ربك فانسه الشیطن ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین (یوسف ۴۲)

ترجمہ: اور کہا (یوسفؑ نے اس سے) جس کے متعلق گمان تھا کہ یہ دونوں میں سے رہائی پانے والا ہے، میرا تذکرہ کرنا تیرے رب یعنی بادشاہ کے پاس، پس بھلا دیا اس کو شیطان نے اس کے رب یعنی بادشاہ کے پاس تذکرہ کرنے سے، پس ٹھہرے (یوسفؑ) جیل میں چند سال اسی سورت کی آیت ۵۰ میں بھی رب کی نسبت بادشاہ مصر کی طرف کی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ: پس جب بادشاہ کا قاصد رہائی کا پیغام لے کر یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا لوٹ جا تیرے رب یعنی بادشاہ کی طرف۔

مذکورہ تینوں ہی آیات میں بادشاہ مصر کو رب کہا گیا ہے اسلئے کہ لوگ اس کو مطلق حلال و حرام کا مالک سمجھتے تھے اور اللہ کے علاوہ کسی کو مطلق حلال و حرام کا مالک سمجھ لینا اس کو رب مان لینا ہے اور اسلام کا سب سے پہلا مطالبہ یہی ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہ بنایا جائے اور یہی پیغام قرآن کی سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت میں ہے۔

اسی طرح سورہ نازعات کی آیت ۲۴ میں فرعون کا جو دعویٰ بیان کیا گیا ہے اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے لفظ رب عربی میں مطلق حکمران اور قانون ساز کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ فقال انا ربکم الاعلی (نزعات ۲۴) پس کہا (فرعون نے) میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔

جب موسیٰؑ نے فرعون کو اللہ کے رب ہونے کی دعوت دی تو اس نے اس دعوت کو جھٹلایا اور قوم کو جمع کیا اور اس کے سامنے اعلان کیا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں، چونکہ وہ اپنے آپ کو قوم کا مطلق حکمران اور قانون ساز سمجھتا تھا اسلئے اس نے رب اعلیٰ ہونے کا اعلان کیا۔

سورہ توبہ کی آیت ۳۱ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مطلق قانون ساز بنا لینا اس کو رب بنا لینے کے معنی میں آتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کی آیت ۳۰۔۳۱ میں یہود و نصاریٰ کے چند جرائم بیان فرما کر ان پر لعنت کی، ان جرائم میں سے ان کا ایک جرم یہ بیان کیا کہ انہوں نے اپنے عالموں اور عابدوں کو رب بنالیے۔

ارشاد ربانی ہے قتلهم الله انی یوفکون (۳۰) اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله (توبہ ۳۰۔۳۱)

ترجمہ اللہ ان کو یعنی یہود و نصاریٰ کو ہلاک کرے وہ کہاں پھرے جارہے ہیں، انہوں نے اپنے عالموں اور عابدوں کو رب بنالیا اللہ کے علاوہ)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ایک حدیث رسول ﷺ بھی ہے جو یہاں پیش کی جارہی ہے

...... عن عدی بن حاتم قال اتیت النبی ﷺ وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یا عدی اطرح عنك هذا الوثن وسمعته یقرا فی سورة براءة اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله فقال اما انهم لم یکونوا یعبدونهم ولکنهم کانوا اذا احلوالهم شیا

استحلوه و اذا حرموا علیهم شیئا حرموه (ترمذی جلد ۲) حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میری گردن میں سونے کا ایک صلیب تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عدی اس بت کو اپنی گردن سے پھینک دو اور میں نے آپ ﷺ کو سنا آپ ﷺ سورۃ برات میں پڑھ رہے تھے انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور عابدوں کو رب بنا لیا اللہ کے سوا، پس آپ ﷺ نے فرمایا وہ ان کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ ان کے لئے کوئی چیز حلال کرتے تو وہ حلال سمجھتے اور جب وہ کوئی چیز حرام کرتے تو اس کو حرام سمجھتے۔

مذکورہ حدیث سے بھی یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو حلال و حرام کا مالک و مختار سمجھنا اس کو رب بنا لینے کے مترادف ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو مطلق حلال و حرام کا مالک سمجھے چاہے وہ دنیا کا بڑا عالم ہو یا بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، لیکن یہ المیہ ہی ہے کہ یہود و نصاریٰ جس طرح اپنے عالموں اور عابدوں کو حلال و حرام کے مالک سمجھنے کی گمراہی میں مبتلا تھے آج وہی گمراہی امت مسلمہ کے بیشتر افراد میں آچکی ہے، چنانچہ اس وقت امت مسلمہ کے بے شمار افراد اپنے علماء اور مشائخ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھتے ہیں اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں چاہے وہ اپنی حلال و حرام کردہ چیزوں پر قرآن و حدیث کی دلیل پیش کریں یا نہ کریں اور غور کیا جائے تو اس معاملہ میں امت مسلمہ کی اکثریت یہود و نصاریٰ سے دو ہاتھ آگے نظر آتی ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ تو صرف اپنے عالموں اور عابدوں کو حلال و حرام کا مالک سمجھتے تھے، لیکن امت مسلمہ کی اکثریت اپنے سیاسی لیڈروں کو بھی حلال و حرام کا مالک سمجھتی ہے جن کے پاس نہ دین کا علم ہے اور نہ دینی عبادات سے ان کا کوئی تعلق ہے۔

مزید ستم ظریفی یہ کہ بہت سے مسلمان خود اپنے ووٹوں سے ان سیاسی لیڈروں کو حلال و حرام کا اختیار دیتے ہیں، اسلام نے اللہ کی حکمرانی و قانون سازی کو اپنے ماننے والوں پر ایمان کا لازمی و ضروری قرار دیا کہ اس معاملہ میں کوئی نرمی اور گنجائش روا نہیں رکھی ہے یہی وجہ ہے کہ آج بیشتر مسلمان اسلام کی مغلوبیت کو بہانہ بنا کر باطل کی حکمرانی و قانون سازی کو جواز کا درجہ

فراہم کر رہے ہیں، جبکہ دین اسلام نے اللہ کی حکمرانی و قانون سازی کی بات اس وقت کی جبکہ اسلام صرف مغلوب ہی نہیں اجنبی تھا اور اس پہلی آیت میں کی جس کی تکمیل کا اعلان تئیس سال بعد ہوا، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دور میں کسی ایمان والے نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں نہ ڈالا جبکہ مکی دور میں بھی مسلمان صرف مغلوب ہی نہیں ہر طرف ظلم و ستم کی چکی میں پیسے جا رہے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام مغلوبیت کے دور میں بھی اپنے ماننے والوں کو اللہ کے علاوہ کسی اور کو مطلق حکمران اور قانون ساز ماننے کی اجازت نہیں دیتا۔

مکی دور کے حوالے سے حکومت الٰہیہ کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے وہ صرف یہ کہ مکی دور میں حکومت الٰہیہ کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا اس لئے اس کی تفصیلی دفعات بھی مکی دور میں نازل نہیں ہوئی اور جب حکومت الٰہیہ کو مدنی دور میں غلبہ حاصل ہوا اس لئے اس کی تفصیلی دفعات مدنی دور میں نازل ہوئیں، لیکن جہاں تک حکومت الٰہیہ کی فکری بنیاد کا سوال ہے تو یہ دور مکی کی پہلی ہی آیت میں پڑ چکی تھی اور حضور ﷺ اور صحابہ کی دور مکی اور دور مدنی کی پوری جدوجہد اسی فکر کو عملی جامہ پہنانے میں صرف ہوئی، اور اسلام کا یہی مطالبہ ہر مسلمان سے ہے۔

فقہی مباحث

اسلامی فقہ اکیڈمی

کے چند اہم فیصلے

انقلاب ماہیت

اسلامی فقہ اکیڈمی کے تیرہویں سیمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ء بمقام جامعہ سید احمد شہید واقع کٹولی، ملیح آباد میں انقلاب ماہیت کے موضوع پر مندرجہ ذیل فیصلے پایا۔

۱۔ شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت ونجاست اس شی کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبعی اور ماحولیاتی اثر کے تحت اس شے کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی تو اس شے کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔

۲۔ تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شے کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شی کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر موثر اوصاف جو اس شی کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شی میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں۔

۳۔ اگر حلال وپاک اشیاء میں حرام وناپاک شی کا صرف اختلاط ہو، اصل حقیقت تبدیل نہ ہو تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی۔

۴۔ یہ سیمینار محسوس کرتا ہے کہ الکحل اور جیلاٹین وغیرہ میں قلب ماہیت کے متحقق ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے پہلے ماہرین کیمیائی سے مناسب معلومات حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے یہ سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داران سے خواہش کرتا ہے کہ اس موضوع پر فیصلہ کو کسی قریبی آئندہ سیمینار تک کے لئے ملتوی رکھا جائے، اور پہلے اس سلسلہ میں ماہرین سے ضروری معلومات حاصل کی جائیں اور ان سے علماء وارباب افتاء کو آگاہ کیا جائے تاکہ ان کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

۵۔ یہ سیمینار مسلمان میڈیکل سائنسدانوں اور خاص کر عالم اسلام کے ارباب حل وعقد سے خواہش کرتا ہے کہ وہ طبی اغراض کے لئے دواؤں میں استعمال ہونے والے حرام وناپاک اجزاء کا متبادل نباتات، جمادات اور حلال مذبوح حیوانات سے دریافت کریں تاکہ حرام ومشتبہ دواؤں سے اجتناب ممکن ہو سکے، کہ بحیثیت مسلمان یہ ان کا نہایت اہم مذہبی اور دینی فریضہ ہے۔

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

۱۔ بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی ناقابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے، غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور ناواقف مسلمانوں کی امداد کر کے اور انھیں اپنے قریب لا کر ان کے ایمان وعقیدے کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج ونادار مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انھیں فقر وفاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین وایمان کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ایسے مسلمان اموال زکوۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوۃ سے مدد کریں اور اگر اموال زکوۃ اس کے لئے کفایت نہ کرے تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲۔ فقراء ومساکین کو زکوۃ کا جو مال دے دیا، انھیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر ومسکین یا چند فقراء نے زکوۃ لینے کے بعد اسے استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگا دیا تاکہ زکوۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

۳۔ زکاۃ دینے والے شخص یا زکاۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکاۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تاکہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴۔ فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کر سکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت وحرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دیئے جائیں یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا

کرنا شروع کیا جاتا ہے اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

۵۔ اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لیے دے دی جائیں اور انھیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶۔ ادائے زکوٰۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی فقراء و مستحقین محروم نہ رہ جائیں۔

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ
عقود و معاملات کا شرعی حکم

۱۔ "مجلس" سے مراد وہ حالت ہے جس میں عاقدین کسی معاملہ کو طے کرنے میں مشغول ہوں۔ "اتحاد مجلس" کا مقصد ایک ہی وقت میں ایجاب کا قبول سے مربوط ہونا ہے، اور اختلاف مجلس سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ایجاب و قبول میں ارتباط کا تحقق نہ ہو سکے۔

۲۔ (الف) فون اور ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ بیع میں ایجاب و قبول معتبر ہوگا، انٹرنیٹ پر بھی اگر بیک وقت عاقدین موجود ہوں اور ایجاب کے بعد فوراً دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہو جائے تو بیع منعقد ہو جائے گی اور ان صورتوں میں عاقدین کو متحد مجلس تصور کیا جائے گا۔

(ب) اگر انٹرنیٹ پر ایک شخص نے بیع کی پیش کش کی، دوسرا شخص اس وقت انٹرنیٹ پر موجود نہیں تھا، بعد کو اس نے اس پیش کش کرنے والے کا پیغام پڑھا تو یہ صورت تحریر و کتابت کے ذریعہ بیع کی ہوگی، اور جس وقت وہ دوسرا شخص اس پیش کش کو پڑھے، اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار ضروری ہوگا۔

۳۔ اگر خریدار اور بائع نے اپنے معاملہ کو خفیہ رکھنا چاہا اور اس کے لیے خفیہ کوڈ (Secret Code) استعمال کیا تو کسی شخص کے لیے اس معاملہ سے باخبر ہونے کی کوشش جائز نہیں ہوگی، البتہ کسی اور شخص کا حق شفعہ یا کوئی اور شرعی حق اس عقد بیع سے متعلق ہو تو اس کے لیے اس خفیہ معاملہ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا درست ہے۔

۴۔ نکاح کا معاملہ بمقابلہ عقد بیع کے زیادہ نازک ہے اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے، اور گواہوں کی شرط بھی ہے، اس لیے انٹرنیٹ، ویڈیو کانفرنسنگ اور فون پر براہ راست نکاح کا ایجاب و قبول

معتبر نہیں، البتہ اگر ان ذرائع ابلاغ پر نکاح کا وکیل بنایا جائے اور وہ گواہان کے سامنے اپنے موکل کی طرف سے ایجاب و قبول کرلے تو نکاح درست ہو جائے گا۔ اس صورت میں یہ بات ضروری ہوگی کہ گواہان وکیل بنانے والے غائب شخص سے واقف ہوں یا ایجاب و قبول کے وقت اس کا نام مع ولدیت ذکر کیا جائے۔

جبری شادی

برطانیہ اور بعض مغربی ممالک کے سماجی حالات کے پس منظر میں اولیاء کی جانب سے لڑکیوں کو رشتہ نکاح کے سلسلہ میں مجبور کیے جانے کے واقعات پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے تیرہویں سیمینار منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد میں غور کیا گیا اور حسب ذیل فیصلے کیے گئے۔

۱۔ لڑکا یا لڑکی بالغ ہو جائے تو شریعت نے انھیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلہ میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیہ شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب و مشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں، وہ انھی اسلامی تعلیمات سے متأثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۲۔ اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کیے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، بعض اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لیے طرح طرح کی دھمکیاں دینا، اسلام کے دیے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

۳۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی چاہیے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتے کو ترجیح دیں، کیوں کہ اولیاء کی شفقت و محبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے رشتے کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفادات کا پورا لحاظ کیا ہوگا۔

۴۔ نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضامندی کے اظہار سے ہے لہٰذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضامندی کا اظہار کر دیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

۵۔ اگر کسی شرعی اور قضائی کام کرنے والے ادارہ میں موجود دلائل کے سامنے یہ بات تحقیق ثابت ہو جائے کہ اولیاء نے بالغ لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں جبر و زبردستی سے کام لیا ہے، اور

اس کو مجبور کر کے بوقت نکاح ہاں کرالیا ہے، اور لڑکی رشتہ ہو جانے کے بعد اس رشتہ کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور وہ فسخ کا مطالبہ کرتی ہے، اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع وطلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

جہیز کی حرمت

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس اس صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ آج ہماری عائلی زندگی میں لڑکوں کی خرید وفروخت کا مزاج ہو گیا ہے اور انھیں مال تجارت بنالیا گیا ہے؛ کبھی لڑکوں کی طرف سے، کبھی ان کے والدین اور اقرباء کی طرف سے اور کبھی خود لڑکی والوں کی طرف سے نہ صرف یہ کہ قیمت لگائی جاتی ہے بلکہ بھاؤ تاؤ کیا جاتا ہے، اور کون زیادہ سے زیادہ دے گا اس کی تلاش کی جاتی ہے، شرعاً نکاح میں لڑکی والوں سے کچھ لینا ہو وہ جوڑے تلک کے نام پر ہو یا گھوڑے جوڑے کے نام پر ہو، یا مروج قیمتی جہیز کے نام پر ہو جائز نہیں، شریعت نے "احل لکم ماوراء ذلکم أن تبتغوا باموالکم" (قرآن کریم) کے حکم ربانی کے ذریعہ مردوں پر نکاح میں مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ آج ہم نے اس حقیقت کو بدل ڈالا ہے اور عورتوں کو نکاح کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کبھی صریح مطالبہ ہوتا ہے اور کبھی عادت اور عرف ورواج کے تحت یہ ہوتا ہے، یہ ساری صورت حال چاہے اس طرح کا مال لینا ہو یا پیشکش کرنا ہو شرعاً جائز و درست نہیں ہے۔

اکیڈمی کا یہ اجلاس تمام مسلمانان ہند کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرہ کو ان خطوط پر متوجہ کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تجویز کیا ہے، اور شادیوں کو ہر طرح سادہ و سہل اور ارشاد نبوی" اعظم النکاح برکة أیسره مؤنة " کے مطابق بغیر جہیز و بغیر کسی مطالبہ نیز اسراف و تبذیر کے بطریق سنت نبویہ انجام دیں۔

مسجد کی شرعی حیثیت
کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے علماء کا متفقہ فیصلہ

مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے

کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہو سکتی ہے نہ وہ قطعہ ارض کسی کو ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کر سکتی ہے۔ مسجد در اصل وہ حصہ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا ہو؛ مسجد صرف در ودیوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں، اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہو جائے یا اسے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے اور مسلمانوں پر اس کا دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے۔

مسجد کا مقصد کائنات کے حقیقی خالق ومالک کی عبادت اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے اس لئے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ یہ مسجد کے مقصد کے عین برعکس بات ہوگی، اور یہ نہ صرف مذہب وعقیدہ بلکہ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہوگا کہ کوئی چیز اپنے برعکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔

اسلام دنیا میں عقیدۂ توحید کا نمائندہ مذہب ہے، اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں عدل اور رواداری کی بھی تعلیم دیتا ہے، وہ مذہب کے معاملہ میں کسی جبر واکراہ کا قائل نہیں، اس نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی فرد یا قوم کی انفرادی یا قومی اور مذہبی زمین پر قبضہ کر کے اسے زبردستی مسجد بنالیا جائے، اس لئے نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ اور اسلامی تاریخ کی رو سے بھی یہ بات صریحاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کسی زمین یا کسی قوم کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد بنایا ہو۔

لہذا اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سیمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابری مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علمائے امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ☆☆

تلخ و شیریں

بس میں بیٹی کا نکاح

ضیاء اللہ نسیم لکھنوی

روزنامہ جنگ لندن کی ایک خبر کے مطابق پاکستان میں نوسربازی کی انوکھی واردات ہوئی، جس میں پانچ سو نوسربازوں نے لاکھوں روپیوں کی نقدی، زیورات اور کپڑے لوٹ لئے، تفصیل کے مطابق شام سات بجے لاہور سے ملتان جانے کے لئے بس مسافروں کو لے کر روانہ ہوئی، ابھی جو نہی لاہور سے نکلی بس میں سوار ایک آدمی کھڑا ہوا جس کے ساتھ خوبصورت نوجوان لڑکی بھی تھی، وہ مسافروں سے مخاطب ہوا کہ میں کوئی مانگنے والا نہیں ہوں، باعزت آدمی ہوں، میری کئی فیکٹریاں تھیں، حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ انہیں آگ لگ گئی، میرا کاروبار ٹھپ ہو گیا، قرضہ میں بری طرح پھنس گیا، قرضہ اتارتے اتارتے میری ساری پونجی ختم ہو گئی، اب اتنا غریب ہوں، بیٹی جوان آپ کے سامنے ہے، اس کی شادی نہیں کر سکتا، میرے پاس جہیز دینے کے لئے بھی کچھ نہیں، اگر کوئی بس میں بغیر جہیز کے میری لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا خواہشمند ہے تو مجھ سے رابطہ کرے میری مدد کرے اللہ راضی ہو گا، بس میں بیٹھا ہوا اس کا ایک ساتھی جس کے ساتھ نوجوان لڑکا بھی تھا، وہ کہنے لگا میں بینک میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں، میرا بیٹا بھی ملازم ہے، دس ہزار روپیہ لیتا ہے، ہمارے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں، ہمیں جہیز کی ضرورت نہیں، اللہ نے ہمیں سب کچھ دیا ہے، میرا لڑکا شادی کرنے کے لئے تیار ہے، وہاں ان کے ساتھیوں میں ایک داڑھی والا جو مولوی صاحب کا روپ دھارے ہوئے بیٹھا تھا، اس نے کہا نیک کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ اس نے بس کے اندر ہی نکاح پڑھا دیا، بس میں بیٹھے تمام مسافر اسے مبارکباد دینے لگے، لڑکی عزت و آبرو کے ساتھ فارغ ہو گئی لڑکی لڑکے کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ گئی بس جب اوکاڑہ کے قریب پہنچی تو لڑکے کے والد نے کہا میں ڈرائیور سمیت تمام حاضرین کو خوشی کی مٹھائی کھلانا چاہتا ہوں، مٹھائی کھاتے ہی تمام مسافر بے ہوش ہو گئے وہ بس ویران میں لے گئے ڈرائیور سمیت تمام

مسافروں کو لوٹ لیا، اور فرار ہو گئے، تاہم بس کمپنی والوں نے بدنامی سے بچنے کے لئے تمام مسافروں کو رقم ادا کرنے کا یقین دلایا۔

قارئین! بظاہر یہ ایک دن دہاڑے ڈکیتی کا واقعہ ہے، مگر اس سے موجودہ مسلمانوں کی دین و مذہب کے حوالے سے ذہنیت کا پوری طرح اندازہ ہو جاتا ہے، آخر ایسی قوم کیوں نہ غضب الٰہی کی مستحق ہو جو اپنے دین اور شریعت کے اصولوں کی پاسداری کے بجائے انہیں ڈاکہ زنی، دھوکہ دہی اور چوری چکاری کا ذریعہ بنائے۔ ڈاکہ زنی اور چوریاں کہاں نہیں ہوتیں، مغربی ممالک میں آئے دن اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، مگر ہم نے آج تک دین کی آڑ میں لوٹ مار کے لئے اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں سنا، ان مردہ ضمیر مسلمانوں سے آخر کوئی تو پوچھے کہ بھائی آپ کو ڈاکہ زنی ہی مطلوب تھی تو تھوڑی سی محنت سے اپنا لیتے، درمیان میں دین اور مذہب کو لانے کی کیا ضرورت تھی، اپنی ان بیہودہ حرکتوں کو سرعام رسوا کر کے آپ نے بے غیرتی کا جنازہ تو نکال ہی دیا مگر مسلمان قوم سے غیرت نامی اس دولت کو بھی چھیننے کی کوشش کی جو وہ اپنے گھر کی بہو بیٹیوں کے لئے رکھتا ہے۔

بہر حال پاکستان میں تو محض دولت لوٹنے کی غرض سے یہ سب ایک لوگوں نے یہ ڈرامہ رچایا تھا مگر برطانیہ میں آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایسے مسلمان بھی موجود ہیں جو حقیقی معنوں میں اپنی بیٹیوں کا نکاح اپنے کسی بھانجے، بھتیجے سے محض اس لئے کر دیتے ہیں تاکہ اس نکاح کی آڑ میں اس کو بھی برطانیہ میں قیام کی اجازت مل جائے، بلکہ بعض بے غیرت والدین نے اس قسم کے نکاح پر اپنی بیٹیوں کو راضی کرنے کے لئے یہاں تک بھی کہا ہے کہ تمہارے شوہر کو قیام کی اجازت ملنے تک اس نکاح کو قبول کر لو، بعد ازاں تم فوراً طلاق لے لینا۔

اب ہمارے لئے اس بات کا فیصلہ مشکل ہو رہا ہے کہ بس لوٹنے والوں کو اپنی عزت اور غیرت کا جنازہ نکالنے والے قرار دیں یا پھر ان ماں باپ کو جو اپنی بیٹیوں کو اپنے رشتہ داروں کو برطانیہ میں آباد کرنے کا ذریعہ بنانے کے لئے ان کا نکاح کرواتے ہیں، اب قارئین ہی اس کا فیصلہ کریں۔

دوغلاپن

ایک ساتھی ملاقات کے لئے ایک آدمی کے پاس گئے، وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، ان کا تعارف کرانے لگے، یہ ہمارے مخلص دوست ہیں، ہمارے ہمسائے ہیں، خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں، بڑے جہاں دیدہ ہیں، مخلص اور محنتی ہیں، اچھے اخلاق کے مالک ہیں، خاندانی آدمی ہیں، ان کے عزیز و اقارب پاکستان میں با اثر ہیں، علاقے کے معزز ترین آدمیوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، یہ خدمت خلق، دینی کاموں میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں، وہ جانے لگے تو بڑے پرتپاک طریقے سے انھیں الوداع کیا، باہر دروازے تک چھوڑنے کے لئے گئے، بیٹھنے کے فوراً بعد پینترا بدلا، کہنے لگے شکر ہے جان چھوٹی، جب آتا ہے جانے کا نام ہی نہیں لیتا، کھانے پینے کے لئے آجاتا ہے، بڑا بے ایمان بددیانت، جھوٹا اور منافق انسان ہے، بہت لالچی اور کنجوس ہے، ہر وقت ادھار مانگتا رہتا ہے، لگانے بجھانے میں بڑا ماہر ہے، اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے، اپنی تعریف بڑی کرتا ہے، ہر وقت میاں مٹھو بنا رہتا ہے، کوئی چیز لائے اس کی تعریف کرتا نہیں تھکتا، میں تو اس سے تنگ آچکا ہوں، سوچ رہا ہوں مکان تبدیل کر کے چلا جاؤں، غرضیکہ اتنے عیوب گنے سارا اسٹاک ختم ہو گیا، مجھ سے رہا نہ گیا، ابھی اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے، اسے پیر عبدالقادر جیلانی کا خلیفہ بنا رہے تھے، اب کیا شروع کر دیا، اگر وہ اتنا ہی برا ہے تو منہ پر کیوں نہیں کہتے، کہنے لگے دل دکھانا نہیں چاہتا، ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا، اس سے تعلقات خراب نہیں کرنے ہیں، بعض دفعہ کام بھی پڑ جاتا ہے، ہمسایہ ہے کہیں تنگ نہ کرے، کسی کو ناراض کرنا کون سی دانشمندی ہے، میں تو اسے بیوقوف بنا رہا تھا۔

قارئین کرام: یہ صرف ایک ساتھی کی بات نہیں ہمارا سب کا یہی حال ہے، تعریف بھی کرتے جاتے ہیں، برائی کیے جاتے ہیں، زبان سے کچھ کہتے ہیں، دل میں کچھ ہوتا ہے، دوستی کا دم بھرتے ہیں، دشمنی بھی کیے جاتے ہیں۔ بغل میں چھری بھی رکھتے ہیں منہ سے رام رام بھی کرتے جاتے ہیں۔

علماء کا حال اس سے بھی برا ہے، اتحاد کی دعوت بھی دیتے ہیں، نفرت کے بیج بھی بوتے جاتے ہیں، امن کی فاختائیں بھی اڑاتے جاتے ہیں، فتنہ و فساد بھی برپا کرنے سے باز نہیں آتے، توحید کی دعوت بھی دیتے ہیں، شرک کی آبیاری بھی کرتے رہتے ہیں، سنت پر عمل پیرائی کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، بدعت کو فروغ بھی دیتے جاتے ہیں، دعویٰ پارسائی کا کرتے ہیں، تعلقات امیروں سے رکھتے ہیں، بظاہر اسلام کی دعوت بھی دیتے ہیں، اندرون خانہ دولت کے انبار بھی لگاتے جاتے ہیں۔

یہ حالت ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں کی بھی ہے۔ دم غریبوں کا بھرتے ہیں، حمایت امیروں کی کرتے ہیں، نعرہ احتساب کا لگاتے ہیں، پکڑتے مخالفین کو ہیں، گالیاں امریکہ کو دیتے ہیں، اس کی ایجنسی بھی کرتے جاتے ہیں۔ دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں فروغ بے حیائی کو دیتے ہیں، مخالفت انڈیا کی کرتے ہیں رات قسمیں بھی ان ہی کی دیکھتے ہیں۔

غرض یہ کہ عام آدمی سے حکمرانوں تک سب ایک کشتی میں سوار ہیں، کہتے کچھ ہیں، کرتے کچھ ہیں، اس کا نام ہوشیاری، چالاکی رکھتے ہیں، حالانکہ یہ تو منافقت، عیاری اور مکاری ہے، مسلمان دو چہرے والا نہیں ہوتا، جو اس کی زبان پہ ہو وہی دل میں رکھتا ہے۔ ہونا بھی ایسا ہی چاہئے، بقول علامہ اقبال

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(بشکریہ صراط مستقیم)

مذاہب عالم

ہندو دھرم

انیس احمد فلاحی

رامائن (Ramayana)

ایک تجزیاتی مطالعہ

تعریف

رامائن ایودھیا کے شہزادہ رام اور سری لنکا کے بادشاہ راون کے درمیان سیتا جی کو چھڑانے کے لئے لڑی گئی کہانی کا نام ہے جس میں رام کامیاب اور راون ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ کہانی درحقیقت ازل سے موجود خیر و شر کی کشمکش کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

اس کہانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیکی اور برائی ہمیشہ ایک دوسرے سے متصادم رہی ہیں اور نتیجے کے طور پر نیکی ہمیشہ غالب آئی ہے۔

مؤلف کتاب

مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس کے مؤلف بالمیکی (Balmiki) ہیں جو رام کے ہم عصر تھے۔ البتہ زمانہ تصنیف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ویدوں کی تدوین کے فوراً بعد اس کی تدوین عمل میں آئی ہے۔ جبکہ بعض دیگر محققین اسے ۵۰۰۔۳۰۰ ق م کے درمیان کی تصنیف مانتے ہیں۔

بالمیکی کی اصل رامائن کو وہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا جو اس کے اس ہندی ترجمہ کو حاصل ہوا جسے اکبر کے عہد میں تلسی داس (۱۵۳۲۔۔۔۱۶۲۳ء) نے کیا تھا۔ البتہ انھوں نے ترجمہ میں خیانت کی اور بہت سی باتیں اپنی حسب منشا اس میں بڑھا دیں اور خاص طور سے رام جو بالمیکی کی رامائن میں ایک عظیم دور اندیش اور قابل قدر حکم کے روپ میں نظر آتے ہیں انھیں انھوں نے الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا اور رام سے منسوب بعض ایسے قصے درج کر دیئے جس میں شودروں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

رام کی مختصر کہانی

ایودھیا کے راجہ دسرتھ کی تین بیویاں کوشلیا، کیکئی اور سمترا تھیں۔ کوشلیا سے رام، کیکئی سے بھرت، اور سمترا سے جڑواں لکشمن اور شترگھن پیدا ہوئے۔ راجہ دسرتھ کی دوسری بیوی کیکئی نے ایک جنگ میں ان کی معاونت کی تھی جس پر راجہ دسرتھ نے خوش ہو کر ان کے ایک عہد کی تکمیل کا اعلان کیا تھا۔

دسرتھ کے چاروں بیٹوں میں رام سب سے بڑے، ذہین اور امور سلطنت سے واقف تھے۔ اس لئے دسرتھ نے انھیں اپنا ولی عہد بنانا چاہا جس پر کیکئی نے اپنا وعدہ یاد دلایا اور مطالبہ کیا کہ ان کے بیٹے بھرت کو تخت و تاج کا مالک بنایا جائے اور رام کو چودہ سال کے لئے بن باس کر دیا جائے۔ راجہ دسرتھ نے وعدہ کا لحاظ رکھتے ہوئے رام کو جلاوطن اور شہزادہ بھرت کو ایودھیا کا ولی عہد بنا دیا۔ البتہ اسی غم و اندوہ میں وہ دنیا سے چل بسے۔ بھرت جو اس واقعہ کے وقت اپنے ننیہال تھے جب انھیں اس کی اطلاع دی گئی تو وہ اپنی ماں سے کافی ناراض ہوئے اور رام کو منا کر واپس لانے کی کوشش کی لیکن جب وہ آنے کے لئے تیار نہ ہوئے تو ان کا کھڑاؤں لیکر واپس ایودھیا آئے اور تخت پر اس کھڑاؤں کو رکھ کر نیابتاً سلطنت کی ذمہ داریاں ادا کرنے لگے۔

جلاوطنی کے ایام میں لنکا کا راجہ راون کی بہن سوپنکھا نے لکشمن سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اصرار کرنے پر لکشمن نے اس کے ناک کان کاٹ لئے جس پر راون نے سیتا کو حیلے سے اغوا کر لیا اور انھیں اپنے محل میں رکھ لیا۔ رام اور لکشمن نے سیتا کی تلاش شروع کی۔ راستے میں ان کی ملاقات ہنومان سے ہوئی جس کی مدد سے اس مقام کا پتہ چلا جہاں سیتا کو رکھا گیا تھا۔ رام بندروں کا ایک زبردست لشکر لیکر لنکا پر حملہ آور ہوئے البتہ لنکا سے پہلے جب آپ بحر ہند کے پاس پہنچے تو سمندر کو عبور کرنے کے لئے کوئی راستہ نہ تھا چنانچہ تین دن تک لشکر وہیں رکا رہا۔ رام نے غصہ میں دریا میں ایک تیر مارا جس سے سمندر میں آگ لگ گئی۔ سمندر نے اپنے خشک ہونے کے خوف سے رام سے عاجزی کی۔ رام نے مسکراتے ہوئے پار ہونے کے لئے راستہ مانگا سمندر نے فرمایا: اے ملک اعظم آپ کے لشکر میں دو بڑے بندر ''نل'' اور ''نال'' ہیں جو پہاڑوں کو منتقل کرنے پر بھی قادر ہیں چنانچہ دونوں پہاڑ اکھاڑ لائے تھے بحر ہند میں ڈال دیا گیا

اور پورا لشکر صحیح سلامت دریا پار کر گیا اور انھوں نے لنکا فتح کر لیا۔ بن باس کی مدت پوری ہونے کے بعد رام ایودھیا واپس آئے۔ سیتا جی کی اگنی پریکشا کر کے انھیں محل میں واپس لایا گیا۔ رام نے عدل و انصاف کے ساتھ ایودھیا پر کامیاب حکومت کی۔

یہ ہے رامائن کا مختصر خاکہ جو والمیکی نے بیان کیا تھا۔

اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ جس کے سبب رام کی عبادت کی جائے۔ وہ یقینا ایک خدمت گذار بیٹے تھے۔ لیکن والمیکی کو رام میں کچھ غیر معمولی بات نظر آئی کہ اس نے رامائن تحریر کی۔ والمیکی نے نارد سے یہ سوال کیا: "بال کنڈ سارگ ۱۔ شلوک ۲ تا ۵" اور نارد مجھے یہ بتا کہ آج زمین پر سب سے کامل انسان کون ہے؟" پھر اس کے بعد کامل انسان کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔ کامل انسان وہ ہے جو طاقتور ہو، مذہب کا عرفان رکھتا ہو، جو شکر گذار اور سچا ہو، وہ جو مصیبت میں بھی مذہبی قدروں کو نبھانے کے لئے ذاتی مفاد قربان کر دیتا ہو، نیک اطوار، سب کے مفاد کا محافظ، سورما اور دیکھنے میں حسین، خود اختیار، غصہ پر قابو رکھنے والا، شہرت یافتہ، حسد سے بری، اور جنگ کے وقت خداؤں کے دلوں میں بھی ہیبت طاری کرنے والا ہو۔"

نارد نے اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے وقت لیا اور خوب غور و فکر کے بعد کہا کہ صرف ایک شخص ان ساری خوبیوں کا مالک نظر آتا ہے اور وہ ہے دسرتھ کا بیٹا رام۔

انھی خوبیوں کے باعث رام کی حمایت کی گئی لیکن کیا رام خدا بنا دیے جانے کی اہل شخصیت ہے؟ رام کو خدا کی طرح عبادت کے لائق سمجھنے والے ان حقیقتوں پر غور کریں!

رام کی پیدائش معجزاتی بتائی جاتی ہے۔ اور اس مفروضہ خیال سے کہ ان کی پیدائش رشی شرنگ کے تیار کیے گئے پنڈ کے باعث ہوئی۔ یہ خرافاتی شیشہ اس کھلی حقیقت کو چھپانے کے لئے استعمال ہوا ہے کہ وہ کوشلیا سے رشی شرنگ کے تعلق سے پیدا ہوئے۔ حالانکہ ان میں شوہر و بیوی کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ بہرحال ان کی پیدائش قابل تعزیر نہ بھی ہو، یقینا غیر فطری اور غیر اخلاقی ضرور ہے۔

اس کے علاوہ رام کی پیدائش سے متعلق اور بھی واقعات ہیں جن کی بد ذوقی کو بڑی مشکل ہی سے ٹھکرایا جا سکتا ہے۔

والمیکی رامائن اس بات پر زور دیتے ہوئے شروع کرتے ہیں کہ رام وشنو کے اوتار ہیں اور یہ وشنو ہی تھے جنھوں نے دسرتھ کے بیٹے رام کے روپ میں جنم لینے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ جب برہما کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے محسوس کیا کہ وشنو کے اوتار رام کو پوری کامیابی دلانے کے لئے طاقتور ساتھیوں کی مدد اور تعاون کا بندوبست کرنا چاہئے۔ اس وقت ایسا کوئی موجود نہیں تھا۔

خداؤں نے برہما کے احکام یوں پورے کیے کہ خود کو پورے کا پورا مباشرت میں لگا دیا صرف اپسراؤں کے ساتھ ہی نہیں جو بیسوائیں ہیں۔ صرف یکشاؤں اور ناگاؤں کی غیر شادی شدہ لڑکیوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ رکھشا، ودیادھر، گندھراؤں کناروں اور وانروں کی جائز طور پر شادی شدہ بیویوں کے ساتھ بھی یوں وانروں کو جنم دیا جو رام کے معاون بنے۔

اس طرح رام کی پیدائش ایک عام حرام کاری کے ساتھ ہوئی۔ اگرچہ کہ ان کے ہی معاملہ میں نہ بھی ہوئی ہو۔ یہ سب ان کے معاونوں کے معاملہ میں یقینی طور پر ہوئی۔ سیتا کے ساتھ ان کی شادی بھی ناقابل تنقید نہیں ہے۔ بدھ رامائن کے مطابق سیتا رام کی بہن تھیں۔ دونوں دسرتھ کی اولاد تھے۔ والمیکی کی رامائن بدھ رامائن میں بتائے گئے اس رشتے سے میل نہیں کھاتی۔ والمیکی کے مطابق سیتا ودیہا کے راجہ جنک کی بیٹی تھی اور اس لئے رام کی بہن نہیں۔ لیکن یہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ خود والمیکی کے مطابق سیتا جنک کی فطری طور پر پیدا شدہ بیٹی نہیں بلکہ ایک ایسی لڑکی تھی جو کسی کسان کو ہل چلاتے وقت کھیت میں ملی تھی جس نے راجہ جنک کو پیش کیا اور جنک نے اس کی پرورش کی۔ اس لئے صرف ظاہری معنوں میں سیتا کو جنک کی بیٹی کہا جا سکتا ہے۔ بدھ رامائن کی کہانی فطری ہے اور آریائی شادیوں کے رواج کے خلاف نہیں۔ (آریاؤں میں بھائی بہن کی شادی جائز تھی) اگر یہ کہانی سچی ہے تو رام کے ساتھ سیتا کی شادی کوئی مثالی شادی نہیں کہ جس پر شان کی جائے یا اس کی نقل کی جائے۔ رام کی ایک اور بڑی خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ ایک ہی بیوی کے شوہر تھے۔ یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ کیوں یہ دعوی عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جب کہ حقیقت میں یہ ایک بے بنیاد بات ہے خود والمیکی رام کی بہت ساری بیویوں کا ذکر کرتے ہیں۔ (ایودھیا کنڈ سارگ ۸ شلوک ۱۲) اور یہ بیویاں ان کی

اور بہت ساری داشتاؤں کے علاوہ تھیں۔ اس معاملہ میں رام اپنے باپ کے نامی گرامی فرزند تھے۔ جن کی نہ صرف مذکورہ تین بیویاں تھیں بلکہ اور بھی کئی تھیں۔

آیئے ایک فرد اور ایک راجہ کی حیثیت سے ان کے کردار کا تجزیہ کریں۔ ایک فرد کی حیثیت سے بحث کرتے ہوئے میں صرف دو واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک والی کے ساتھ ان کا رویہ اور دوسرا خود اپنی بیوی سیتا کے ساتھ ان کا برتاؤ۔

آیئے پہلے ہم والی کے واقعہ کو لیں گے۔

والی اور سگریو دو بھائی تھے ان کا واندر کی نسل سے تعلق تھا۔ اور وہ ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس کا صدر مقام کشکندھ تھا جس وقت راون نے سیتا کا اغوا کیا تھا تو اس وقت کشکندھ پر والی کی حکومت تھی۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد والی، مایاوی نامی ایک راکشش سے جنگ پر لگے۔ جب ان دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی تو مایاوی اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ نکلا دونوں والی اور سگریو نے اس کا پیچھا کیا۔ مایاوی زمین کے اندر ایک گہرے سوراخ میں چھپ گیا والی نے سگریو کو سوراخ کے دہانے پر انتظار کرنے کے لئے کہا اور خود اندر گھس گئے۔ تھوڑے وقت کے بعد خون کا ایک سیلاب سوراخ کے اندر سے نکلا۔ سگریو یہ سمجھے کہ مایاوی کے ہاتھوں والی کا قتل ہو گیا۔ وہ کشکندھ لوٹ گئے اور والی کے بجائے خود اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ اور ہنومان کو اپنا وزیر اعظم بنا دیا۔

حقیقتاً والی کا قتل نہیں ہوا تھا بلکہ والی کے ہاتھوں مایاوی کی موت ہوئی تھی۔ والی نے سوراخ کے باہر آ کر سگریو کو نہ پایا تو وہ کشکندھ کی طرف روانہ ہوئے اور یہ دیکھ کر متعجب ہوئے کہ سگریو نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا ہے۔ قدرتی طور پر اپنے بھائی سگریو کی اس غداری پر بہت غصہ آیا۔ سچ پوچھیں تو یہ اس کے لئے اچھا جواز بھی تھا۔ سگریو کو تحقیق کرنا چاہئے تھا نہ کہ یہ فیصلہ کر لینا کہ والی کی موت واقع ہو گئی ہے۔ دوسرا کہ والی کا ایک بیٹا انگد نامی تھا جو والی کا جائز وارث تھا اس لئے وہی بادشاہ بننا چاہیے تھا۔ سگریو نے ان دونوں میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا۔ اس کا یہ عمل صاف غاصبانہ تھا۔ والی نے سگریو کو نکال باہر کیا اور تخت واپس لے لیا۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے۔

راون کے سیتا کے اغوا کرنے کے فوراً بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔ رام اور لکشمن سیتا کی تلاش میں تھے۔ سگریو اور ہنومان ایسے دوستوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے جو والی سے تخت لینے میں مددگار ہوں۔ یہ دونوں جماعتیں بالکل اتفاقی طور پر ایک دوسرے سے ملیں۔ آپس کی مشکلوں کے اظہار کے بعد دونوں میں ایک معاہدہ ہوا کہ رام والی کے مارنے میں سگریو کی مدد کریں اور اس کو کشکندھ کے تخت پر بٹھائیں۔ دوسری طرف یہ طے پایا کہ سیتا کے حاصل کرنے میں سگریو اور ہنومان رام کی مدد کریں۔ طے پایا کہ جب سگریو اور والی انفرادی جنگ میں الجھے رہیں تو سگریو ایک ہار پہن لیں تاکہ رام کو شناخت کرنے میں آسانی ہو۔ جب سگریو اور والی لڑ رہے ہوں تو رام درخت کے پیچھے چھپے رہیں اور والی پر تیر چلائیں اور اسے مار ڈالیں۔ منصوبہ کے تحت ایک انفرادی لڑائی کا بندوبست ہوا اور سگریو گلے میں ہار ڈالے لڑ رہے تھے۔ رام نے درخت کے پیچھے چھپ کر والی پر تیر چلایا اور سگریو کو کشکندھ کا تخت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا والی کا یہ قتل رام کے کردار پر سب سے بڑا دھبا ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جس کے لئے بالکل ہی کوئی جواز نہیں تھا۔ اس لئے کہ والی کا رام کے ساتھ کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ یہ ایک انتہائی بزدلانہ کام تھا۔ اس لئے کہ والی کے پاس کوئی بھی ہتھیار نہیں تھا۔ یہ ایک منصوبہ بند اور سوچا سمجھا ہوا قتل تھا۔

خود اپنی بیوی سیتا کے ساتھ کئے گئے رویہ پر غور کیجئے۔ سگریو اور والی کی طرف سے مہیا کی گئی فوج کے ساتھ رام لنکا پر حملہ کرتے ہیں۔ یہاں بھی ویسا ہی اوچھا کھیل کھیلتے ہیں جیسا کہ والی اور سگریو کے درمیان کھیلا گیا تھا۔ راون کے بھائی وبھیشن کی مدد لیتے ہیں۔ اس وعدہ پر کہ راون اور ان کے بیٹے کو مار کر خالی تخت پر اس کو بٹھائیں گے۔ رام راون اور ان کے بیٹے اندرجیت کو قتل کرتے ہیں۔ لڑائی کے اختتام پر پہلا کام یہ کرتے ہیں کہ راون کی لاش کی باعزت تدفین ہوتی ہے۔ اس کے بعد وبھیشن کی تاج پوشی میں دلچسپی لیتے ہیں اور تاج پوشی کے بعد ہنومان کو سیتا کے پاس بھیجتے ہیں اور وہ بھی یہ اطلاع دینے کے لئے کہ وہ خود اور لکشمن اور سگریو بخیر و خوبی ہیں اور یہ کہ راون قتل کر دئے گئے ہیں۔

راون کے خاتمہ کے بعد ان کو سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہئے تھا کہ وہ سیدھے سیتا

کے پاس جاتے وہ ایسا نہیں کرتے۔ سیتا سے زیادہ اہم ان کے لئے تاج پوشی میں الجھی ہے۔ تاج پوشی کے بعد بھی وہ خود نہیں جاتے بلکہ ہنومان کو بھیجتے ہیں۔ اور ان کا بھیجا ہوا پیغام کیا ہے؟ وہ ہنومان سے یہ نہیں کہتے کہ سیتا کو لے آئیں وہ صرف اتنا کہلواتے ہیں کہ وہ بخیر وخوبی ہیں۔ یہ سیتا ہیں جو ہنومان پر رام کے دیدار کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں۔ رام اپنی ہی بیوی سیتا کے پاس دس مہینوں سے زیادہ عرصے تک نہیں جاتے سیتا جن کا اغوا کیا گیا تھا اور جن کو راون نے قید میں ڈال رکھا تھا سیتا ان کے پاس لائی جاتی ہیں اور ان کو دیکھنے کے بعد رام ان سے کیا کہتے ہیں؟ یہ ماننا بہت مشکل ہے کہ ایک عام انسانی ہمدردی رکھنے والا انسان بھی اتنی مشکلوں میں گھری اپنی ہی بیوی کو اس طرح مخاطب کرے گا جس طرح کہ رام نے سیتا سے کیا۔ ان کی سیتا سے ملاقات ہوئی جو کہ والمیکی جیسی مستند شخصیت کی زبانی بیان ہوئی ہے۔

رام سیتا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں: میں نے تمہارے قید کرنے والے کو شکست دینے کے بعد تمہیں مال غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ میں نے اپنی عزت کے بدلے دشمن کو سزا دی لوگوں نے میری فوجی عظمت دیکھ لی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میری محنتوں کا پھل مجھے مل گیا ہے۔ میں یہاں راون کو مارنے اور اپنی بے عزتی کا داغ دھونے آیا تھا۔ میں نے یہ مصیبت تمہارے لئے نہیں اٹھائی۔ رام کے سیتا کے ساتھ کہے گئے اس برتاؤ سے بڑھ کر کیا کوئی اور ظالمانہ حرکت ہو سکتی ہے۔ وہ اسی پر نہیں رکتے آگے وہ کہتے ہیں: تمہارے طور طریقے پر میں شک کرتا ہوں۔ تم راون کے ہاتھوں خراب ہو چکی ہوگی۔ تم پر نظر ڈالتے ہوئے بھی مجھے کلفت ہوتی ہے۔ اور اے جنک کی بیٹی تم جہاں بھی جانا چاہتی ہو جا سکتی ہو۔ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں نے تم پر فتح پائی ہے اس سے میں مطمئن ہوں۔ یہی میرا مقصد تھا میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ راون تم جیسی خوبصورت عورت سے لطف اندوز ہوئے بغیر رہ سکا ہو۔

ظاہر ہے کہ سیتا رام کو کم ظرف اور کمینہ کہتی ہیں اور صاف طور پر کہہ دیتی ہیں کہ اگر ہنومان نے آتے ہی کہہ دیا ہوتا کہ تم نے مجھے اس بنا پر دھتکار دیا ہے کہ میرا اغوا کیا گیا تھا تو میں خودکشی کر لیتی اور تمہیں ان سب مصیبتوں سے نجات دلاتی۔ رام کے لئے کوئی اور ثبوت نہ دینے کے خیال سے سیتا اپنے باعصمت ہونے کی شہادت کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ وہ آگ میں سے

گذرتی ہیں اور صاف نکل آتی ہیں۔ تمام خدا اس ثبوت سے مطمئن ہو کر سیتا کی پاکدامنی کا اعلان کرتے ہیں۔ اسی کے بعد ہی رام سیتا کو لیکر ایودھیا واپس ہونے پر رضامند ہوتے ہیں۔

ایودھیا واپس لے آنے کے بعد بھی وہ ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ وہاں وہ بادشاہ بنتے ہیں اور سیتا ملکہ۔ لیکن رام تو بادشاہ ہی رہتے ہیں سیتا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ملکہ نہیں رہتیں اس برتاؤ سے رام کی رسوائی اور اوچھا پن ظاہر ہوتا ہے۔ رامائن میں والمیکی نے بیان کیا ہے کہ رام اور سیتا کی بادشاہ اور ملکہ کی حیثیت سے تاج پوشی کے چند دن بعد سیتا حاملہ ہوتی ہیں ان کو حاملہ دیکھ کر چند بد خصلت اہالیان شہر نے سیتا پر بہتان تراشی کی کہ شاید انہیں راون سے ہی حمل ہوا جب کہ وہ لنکا میں تھیں اور رام نے اس قسم کی عورت کو اپنے ساتھ رکھا ہے۔ اس شرپسند افواہ کا ذکر بھدرا نامی ایک درباری مسخرے نے رام سے کیا۔ ظاہر ہے کہ رام پر اس بہتان کا بڑا اثر پڑا اور بدنامی کے احساس کا بہت دکھ ہوا اور یہ فطری امر ہے۔ لیکن غیر فطری بات اس طریقہ کار میں ہے جو انہوں نے اس بدنامی سے بچنے کے لئے اختیار کیا۔ اس بدنامی سے بچنے کے لئے انھوں نے نہایت آسان اور سرعت آفریں راستہ اختیار کیا۔ یعنی سیتا کو جو کہ حمل کے بڑھتے ہوئے ایام میں تھیں جنگل میں اکیلا چھوڑ دیا۔ بے یار ومددگار، بے آب ودانہ، اطلاع کے بغیر اور ایک انتہائی عیارانہ طریقہ پر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیتا کو اس طرح نکال باہر کرنے کا خیال اچانک اور فوری ردعمل کے طور پر تو نہیں آیا ہوگا۔ اس خیال کی پیدائش، اس پر غور وفکر اور منصوبہ بندی پر زیادہ تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سیتا کے بارے میں شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا ذکر جب بھدرا رام سے کرتا ہے تو رام اپنے بھائیوں کو بلاتے ہیں اور اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سیتا کی عصمت اور پاکدامنی لنکا میں ثابت ہو چکی ہے۔ خداؤں نے اس پر مہر ثبت کر دی ہے۔ اور ان کو سیتا کی معصومیت، عصمت اور پاکدامنی پر پورا پورا اعتماد ہے۔ تاہم عوام سیتا پر بہتان لگاتے ہیں اور مجھ کو بھی مورد الزام گردانتے ہیں اور شرمندہ کرتے ہیں۔ کوئی بھی اس قسم کی بدنامی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ عزت بہت بڑی دولت ہے۔ خدا اور بڑے بڑے انسان اس کے تحفظ کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس بدنامی اور بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس بے عزتی اور

بدنامی سے بچنے کے لئے میں تم لوگوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ مت سوچو کہ میں سیتا کو چھوڑ دینے میں کوئی لیت و لعل کروں گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیتا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ اس لئے کیا گیا تھا عوام کے لگائے گئے بہتان سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا۔ یہ نہ سوچا گیا کہ آیا یہ طریقہ اچھا ہے یا برا۔ سیتا کی زندگی کسی شمار میں نہ تھی۔ شمار میں تو صرف ان کی نیک نامی اور شہرت تھی۔ ہاں انھوں نے اس بکواس کو بند کرانے کے مردانہ طریقہ پر غور نہیں کیا جو ایک حکمران کی حیثیت سے وہ کر سکتے تھے۔ اور ایسے شوہر پر کرنا لازمی تھا جو اپنی بیوی کے با عصمت ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ انھوں نے عوام کی بکواس کے آگے سر جھکا دیا۔ اور بہت سے ہندو ایسے ملیں گے جو اس واقعہ کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ رام جمہوریت پسند بادشاہ تھے۔ اور بالکل اسی طرح اور بھی بہت کہیں گے کہ رام ایک کمزور اور بزدل بادشاہ تھے۔ کچھ بھی ہو اپنی عزت اور شہرت کو قائم رکھنے کا یہ شیطانی منصوبہ رام اپنے بھائیوں پر ظاہر کرتے ہیں لیکن سیتا پر نہیں جو کہ وہی وہ واحد ہستی تھیں جن پر یہ منصوبہ اثر انداز ہونے والا تھا۔ اور جنھیں اس کے جاننے کا حق تھا لیکن ان کو بالکل تاریکی میں رکھا گیا۔ رام نے اس منصوبہ کو انتہائی رازداری میں رکھا اور اس پر عمل درآمد کے لئے موقع کے منتظر رہے۔ اور سیتا کی معلوم بد نصیبی بہت جلد یہ موقع فراہم کر دیتی ہے۔ حاملہ عورتیں بہت ساری چیزوں پر بہت سے اشتیاق ظاہر کرتی ہیں۔ رام کو یہ بات معلوم تھی تبھی ایک دن انھوں نے سیتا سے پوچھا کہ آیا انھیں کسی چیز کا بہت اشتیاق ہے۔ انھوں نے ہاں کہی۔ رام نے پوچھا کس چیز کا۔ سیتا نے جواب دیا کہ وہ کم سے کم ایک رات کے لئے گنگا کے کنارے رشی کے آشرم میں رہنا چاہتی ہیں اور پھلوں اور جڑیوں پر گزارہ کرنا چاہتی ہیں۔ رام سیتا کی رائے پر اچھل پڑے اور کہا۔ "خوش رہو جان من کل ہی تمہارے وہاں پہنچنے کا میں بندوبست کروں گا"۔ سیتا اس وعدے کو چاہنے والے شوہر کا پرخلوص وعدہ سمجھتی ہیں۔ لیکن رام کیا کرتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ سیتا کو چھوڑ دینے کے منصوبے پر عمل پیرائی کا بہترین موقع ہے۔ ایک خفیہ اجلاس کے لئے انھوں نے اپنے بھائیوں کو بلوایا اور ان پر سیتا کو چھوڑ دینے کی آرزو کو پورا کرنے کے فیصلے کا اظہار کیا۔ وہ اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ وہ سیتا کی سفارش نہ کریں اور تنبیہ کرتے ہیں

کہ اگر وہ ان کے راستے کی رکاوٹ بنیں گے تو وہ ان کو اپنے دشمن جانیں گے۔ پھر وہ لکشمن سے کہتے ہیں کہ وہ کل سیتا کو رتھ میں بٹھا کر لے جائیں اور گنگا کے کنارے رشی کے آشرم میں چھوڑ آئیں۔ لکشمن کی سمجھ میں نہ آیا کہ سیتا کے بارے میں رام کے فیصلے کے اظہار کی جرأت کہاں سے آئے گی۔ اس مشکل کو بھانپ کر رام لکشمن سے کہتے ہیں کہ سیتا نے خود ندی کے کنارے آشرم کے قریب گزارہ کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اور لکشمن کے رنج کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔

یہ سازش راتوں رات طے ہوئی۔ دوسری صبح سماتنا سے رتھ میں گھوڑے جوتنے کے لئے کہا گیا سماتنا نے تعمیل کی۔ لکشمن محل میں داخل ہوئے۔ سیتا سے مل کر یاد دلاتے ہیں کہ انھوں نے آشرم سے قریب چند دن گزارنے کی جو خواہش ظاہر کی تھی اور اس کو پورا کرنے کا وعدہ رام نے کیا تھا اور یہ ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے۔ وہ رتھ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں "چلئے ہم چلیں"۔ اپنے دل میں ممنونیت کے جذبات لئے سیتا رتھ میں بخوشی سوار ہو جاتی ہیں لکشمن کے ساتھ اور سماتنا کی کوچوانی میں سیتا منزل مقررہ کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ آخر کار وہ گنگا کے کنارے پہنچے اور مچھیروں کی مدد سے ندی کے پار ہوئے لکشمن سیتا کے قدموں میں گر پڑے اور آنکھوں میں گرم گرم آنسو بھر کر کہا پاک ملکہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کے لئے مجھے معاف فرمایئے مجھے حکم ہے کہ میں آپ کو یہاں تنہا چھوڑ دوں اس لئے کہ لوگ رام کو بدنام کرتے ہیں کہ انھوں نے آپ کو ساتھ رکھا ہے"۔

رام کے ہاتھوں جنگل میں مرنے کے لئے چھوڑ دی گئی سیتا والمیکی کے آشرم میں پناہ لیتی ہے جو قریب ہی تھا۔ والمیکی نے انھیں پناہ دی اور اپنے پاس رکھا۔ پھر سیتا نے دو لڑکوں کو جنم دیا جو لو اور کشا کہلاتے ہیں۔ یہ والمیکی کے ساتھ رہے۔ والمیکی نے ان لڑکوں کی پرورش کی اور ان کو رامائن گانا سکھایا جو انھوں نے لکھی تھی۔ بارہ برس تک دونوں لڑکے جنگل میں والمیکی کے آشرم میں رہے جو رام کے شہر ایودھیا سے زیادہ دور نہ تھا۔ ان بارہ برسوں میں اس مثالی شوہر اور چہیتے باپ نے کبھی یہ خبر نہ لی کہ سیتا کا حشر کیا ہوا۔ آیا وہ زندہ بھی ہیں یا مر گئیں۔ بارہ برس بعد رام سیتا سے عجیب و غریب طریقے سے ملتے ہیں۔ رام نے ایک یگیہ کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام رشیوں کو حاضر ہونے کی دعوت دی۔ حالانکہ ان کا آشرم ایودھیا سے قریب ہی تھا اس کے باوجود

والمیکی خود اپنے طور پر سیتا کے دونوں لڑکوں کو اپنے ساتھ لے کر حاضر ہوئے اور ان کا اپنے چیلوں کے نام سے تعارف کرایا۔ یگیہ کے دوران یہ دونوں لڑکے حاضرین مجلس کے روبرو رامائن کا پاٹھ کرتے رہے۔ رام بہت خوش ہوئے ان کے بارے میں تحقیق کی اور انھیں پتہ چلا کہ یہ دونوں سیتا کے بیٹے ہیں۔ تب ان کو سیتا کا خیال آیا تو پھر اب دیکھئے وہ کیا کرتے ہیں۔ ان معصوم لڑکوں سے جن کو اپنے والدین کے گناہوں کا علم نہ تھا بد قسمتی کا شکار تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ والمیکی سے کہہ دیں کہ اگر سیتا پاک دامن ہیں تو اپنے آپ کو مجلس میں حاضر کریں اور اس پر قسم کھائیں اور خود اپنی اور ان کی بدنامی کے داغ دھوئیں۔ یہ وہ کام تھا جو انھوں نے پہلے بھی ایک بار لنکا میں کیا تھا۔ یہ وہ عمل ہے جو سیتا کو نکال باہر کرنے سے پہلے بھی کیا جا سکتا تھا۔ یہ وعدہ بھی نہیں کیا گیا کہ اپنے کردار کی صفائی پیش کر دینے کے بعد انھیں واپس لے لیا جائے گا۔ والمیکی سیتا کو اجلاس میں لے آتے ہیں۔ جب وہ رام کے سامنے کھڑی ہوتی ہیں تو والمیکی کہتے ہیں۔ ''اودسرتھ کے بیٹے! یہی ہے وہ سیتا جس کو تم نے لوگوں کی کہی کہی پر چھوڑ دیا تھا۔ اگر تم اجازت دو تو یہ اپنی پاک دامنی کی قسم کھائیں گی۔ یہ ہیں تمہارے جڑواں بیٹے جن کو میں نے اپنی کٹیا میں پالا ہے۔''

رام کہتے ہیں ''مجھے معلوم ہے کہ سیتا پاک دامن ہے اور یہ لڑکے میرے ہیں۔ انھوں نے لنکا میں ایک بار اپنی پاک دامنی کا امتحان دیا تھا اور میں نے انھیں واپس لے لیا تھا لیکن یہاں لوگوں کو اب بھی شک ہے۔ اس لئے سیتا کو چاہئے کہ یہاں امتحان دیں تا کہ تمام رشی اور عوام دیکھ لیں۔''

نظریں نیچی کئے ہوئے اور ہاتھ جوڑ کر سیتا نے قسم کھائی ''چونکہ میں نے اپنے دل میں بھی رام کے علاوہ کسی اور مرد کا خیال تک نہیں کیا تھا، اس لئے مادر گیتی سے چاہتی ہوں کہ وہ شق ہو جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ چونکہ میں نے ہمیشہ رام کو چاہا ہے۔ الفاظ میں، خیالوں میں اور اعمال میں مادر گیتی سے چاہتی ہوں کہ شق ہو جائے اور میں دفن ہو جاؤں۔'' جیسے ہی سیتا نے یہ قسم کھائی زمین شق ہو گئی اور یہ طلائی تخت پر بیٹھی زمین کے اندر سما گئیں۔ آسمانی پھول سیتا پر برسنے لگے اور ناظرین حیرت زدہ دیکھتے رہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیتا نے مرنا پسند کیا بہ نسبت رام کے پاس جانے کے۔ جن کا رویہ ایک وحشی سے بہتر نہ تھا۔

یہ ہے سیتا کا المیہ اور خدا کہلانے والے رام کی جرائم کی داستان اب مجھے بادشاہ رام پر کچھ روشنی ڈالنے دیجئے۔

رام کو ایک مثالی بادشاہ بتایا جاتا ہے۔ کیا یہ فیصلہ حقیقت کی بنیادوں پر حاصل کیا گیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ بادشاہ کے روپ میں رام کبھی رہے ہی نہیں۔ وہ صرف برائے نام بادشاہ تھے۔ جیسا کہ والمیکی نے بتایا ہے۔ انتظامیہ رام کے بھائی بھرت کے ہاتھ میں تھا۔ رام نے اپنے آپ کو بادشاہت اور رعایا کی پریشانیوں سے آزاد کر دیا تھا۔ والمیکی نے رام کے بادشاہ بننے کے بعد کے روزانہ مشاغل کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ (اتر کھنڈ۔ سارگ ۴۲۔ شلوک ۲۷)

اس کے مطابق دن کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ دوپہر تک اور دوپہر بعد۔ صبح سے لیکر دوپہر تک وہ مذہبی رسموں، منتروں اور پوجا پاٹ میں لگے رہتے تھے۔ دوپہر کے بعد یکے بعد دیگرے درباری مسخروں اور زنانہ میں گذرتی تھی۔ جب زنانہ صحبت سے تھک جاتے تو درباری مسخروں میں آ جاتے اور مسخروں سے تھک جاتے تو زنانہ واپس ہو جاتے۔ (اتر کھنڈ۔ سارگ ۴۳۔ شلوک ۱) والمیکی تفصیل سے بتاتے ہیں کہ رام زنانہ میں کس طرح زندگی گذارتے تھے۔ یہ زنانہ یا حرم ایک باغ کے اندر تھا، جس کو اشوک ون کہتے ہیں۔ رام یہاں کھانا کھاتے۔ والمیکی کے مطابق ان کی غذا ہر قسم کی لذتوں سے پر ہوتی۔ جس میں گوشت، پھل اور شراب شامل تھے۔ رام شراب کے رسیا تھے۔ وہ بڑا اور باطلب ظرف رکھتے تھے۔ والمیکی لکھتے ہیں کہ رام اس بات کا خیال رکھتے کہ سیتا بھی ان کے ساتھ شراب نوشی میں شامل رہیں۔ (اتر کھنڈ۔ سارگ ۴۲۔ شلوک ۸) رام کے زنانہ کے بارے میں والمیکی نے جو کچھ بتایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بے حد شاندار تھا۔ جس میں اپسرائیں، اراگائیں اور کناریاں تھیں جو ناچ گانے میں ماہر تھیں۔ اور دوسری خوبصورت عورتیں بھی تھیں جو مختلف مقامات سے لائی گئی تھیں۔ رام ان کے درمیان پیتے، ناچتے ہوئے بیٹھتے تھے۔ وہ رام کا من بھاتیں اور رام ان کے وارے نیارے

ہوتے۔ والمیکی رام کو عورتوں کا رسیا شہزادہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایک روز کا معاملہ نہ تھا یہ ان کی زندگی کا باقاعدہ معمول تھا۔

جیسا کہ پہلے ہی بتایا گیا ہے رام نے کبھی حکومت کے معاملات میں شرکت نہ کی۔ ہندوستان کے قدیم راجاؤں کے رواج کے مطابق کبھی رعایا کے مسائل کی شنوائی اور علاج کی کوشش نہ کی۔ والمیکی نے صرف ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جب انھوں نے بذات خود رعایا کی شکایت سنی لیکن بدقسمتی سے یہ کوشش بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ انھوں نے ایک غلطی کے ازالہ کی کوشش میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا جرم سرزد کیا جس کو شودر "سمبوکا" کے قتل کا واقعہ کہا جاتا ہے۔

والمیکی نے کہا ہے کہ رام کے زمانہ میں ان کے ملک کے اندر عمر طبعی سے قبل موت نہ ہوتی تھی۔ لیکن ایک موت ایسی واقع ہوگئی۔ ایک برہمن کا لڑکا سن بلوغ سے پہلے مر گیا۔ غمگین باپ بچے کی لاش اٹھائے محل کے دروازے پر آیا۔ لاش رکھی اور زار زار رونا شروع کیا اور اپنے بیٹے کی موت پر رام کی دہائی دی اور کہا کہ ایسا ان کی مملکت کے اندر کسی گناہ کے سرزد ہونے کے باعث ہی ہوا ہے اور بادشاہ اس کی سزا نہ دے تو وہ سمجھے گا کہ وہی اس گناہ کا مرتکب ہے اور آخر میں دھمکی دی کہ اگر اس کا بچہ زندہ نہ کیا گیا تو رام کے سامنے دھرنا مار کر اپنی جان دے دے گا۔ تب رام نے اپنے آٹھ ذی علم رشیوں سے صلاح لی۔ نارد نے رام سے کہا کہ ان کی رعایا میں کوئی شودر تپس کر رہا ہے جو دھرم کے خلاف ہے کیوں کہ دھرم کے مطابق تپس کا کرنا صرف دو مرتبہ پیدا ہونے والوں یعنی برہمنوں کا حق ہے جبکہ شودر کا فرض صرف اتنا ہی بنتا ہے کہ دو مرتبہ پیدا ہونے والوں کی خدمت کیا کرے۔ رام کو یقین ہو گیا کہ شودر نے اس طریقہ سے جرم کے اصولوں کی مخالفت کا گناہ کیا ہے اور اس کے سبب برہمن کا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ پس رام نے اپنی ہوائی گاڑی میں بیٹھ کر مجرم کی تلاش ملک بھر میں کی آخر کار جنوب کی جانب کافی دور جنگل میں ان کی نظر ایک آدمی پر پڑی جو بڑی ہی کٹھن قسم کی عبادت میں لگا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب گئے نہ پوچھا نہ کہا کہ وہ سمبوک شودر ہوتے ہوئے اپنے اس زمینی جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانے کے ارادے سے کیوں تپس کر رہا ہے۔ نہ ڈانٹ نہ ڈپٹ، نہ نصیحت بلکہ کسی اور طریقہ سے

ناحق کے بغیر حجت سے اس کا سر اڑا دیا اور اس کے نتیجے اسی وقت دور دراز اجودھیا میں پڑے مردہ برہمن لڑکے کی سانس لوٹ آئی۔ ادھر جنگل میں خداؤں نے خوشی سے راجہ رام پر پھولوں کی بارش کر دی۔ یہ اس خوشی میں تھا کہ تپس کی طاقت کے ذریعہ آسمانوں کی ان بلند رہائشوں میں داخل ہونے کی جرأت کرنے والے ایک شودر کو رام نے روک دیا۔ جس کا اس کو کوئی حق نہیں تھا۔ وہ رام کے سامنے بھی ظاہر ہوئے اور اس کارنامے پر مبارک باد دی۔ جب رام نے اپنے محل کے دروازے پر پڑے ہوئے مردہ برہمن لڑکے کو زندہ کرنے کی ان سے درخواست کی تو انھیں بتایا گیا کہ وہ کبھی کا زندہ ہو گیا ہے۔ پھر وہاں سے قریب ہی پڑے اگستیہ کے آشرم کی طرف چل پڑے۔ وہاں بھی سمبوک کے خلاف ان کے اقدام کی تعریف ہوئی اور ان کو ایک خدائی مالا دی گئی۔ اور رام صدر مقام واپس ہوئے۔ یہ ہے رام۔ ☆

فقہ و فتاوی

ابو القمر فلاحی

سوال: کیا بائیں ہاتھ سے پانی پینا جائز و درست ہے؟

جواب: بائیں ہاتھ سے جس طرح کھانا کھانا خلاف سنت ہے اسی طرح پانی پینا بھی مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دائیں ہاتھ سے پانی پیا کرتے تھے۔ مسند احمد میں ہے ''حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنے دائیں ہاتھ پر لیٹتے اور آپ کا دایاں ہاتھ کھانے، پینے، وضو کرنے، کپڑے بدلنے اور لینے دینے کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ دوسرے کاموں کے لئے'' صحیح مسلم کی متعدد روایتوں میں دائیں ہاتھ سے پانی پینے کا حکم ہے اس سلسلہ کی ایک حدیث ملاحظہ ہو ''عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال اذا أکل احدکم فلیاکل بیمینه و اذا شرب فلیشرب بیمینه'' (صحیح مسلم تکملة فتح الملهم) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھائے تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے اور جب پیئے تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے پینا چاہئے۔

سوال: کیا پنشن لینا جائز ہے؟

جواب: حکومت کی جانب سے ملنے والی پنشن جائز و درست ہے کیوں کہ پنشن درحقیقت انسان کی ان خدمات کا صلہ ہوتی ہے جو اس نے کسی سرکاری محکمے کے لئے پوری عمر پیش کی ہے۔ اس کے جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ پنشن ضعیف و معذور افراد کو دی جاتی ہے اور ضعیف اور معذور افراد کی اعانت مملکت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ☆☆

لیل و نہار

ادارہ

نتائج کا اعلان

امتحان طلبہ کی جد وجہد، محنت و مطالعہ، جانفشانی و دیدہ ریزی کے تاب آزما مراحل سے عبارت ہے تو امتحان کا نتیجہ اساتذہ کی دلسوزی اور اخلاص و قناعت کے ساتھ ان کی محنت کا ایک ایسا آئینہ ہے جس میں مستقبل کے خدوخال کی تابانی دیکھی جا سکتی ہے۔

ششماہی امتحان نظم و ضبط، اصول پسندی، ضابطہ و قانون کی سخت گیر خشونت کے جس ماحول میں انجام پذیر ہوا اس سے نتائج کے بارے میں عدم اطمینان کا احساس عام تھا لیکن طلبہ کے علمی انہماک و شغف اور تعلیمی رجحانات کی پختگی نے گذشتہ سالوں کی بہ نسبت نتیجہ کو زیادہ خوش آئند اور حوصلہ افزا بنا دیا۔ ۲۳/۴/۲۰۰۹ء کو نتیجہ منظر عام پر آیا تو دیکھ کر آنکھوں میں خوشی کے چراغ جل اٹھے۔

ایڈہاک کمیٹی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی

اوائل مئی میں ہونے والا ایڈہاک کمیٹی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔ مخلصین جامعہ بجا طور پر پرامید تھے اور دعا بھی کرتے تھے کہ ہماری توانائیاں منقسم و منتشر نہ ہوں تاکہ یک جان و دو قالب ہو کر ہم اپنے تعلیمی و تربیتی منصوبوں کو اس طرح روبہ عمل لا سکیں کہ جامعہ کا اجتماعی ضمیر باہمی اتحاد کے ان ہمہ جہت تقاضوں کے لئے ہر آن ہوشیار و بیدار رہے جو ملی ارتقاء و استحکام کی اساس و بنیاد ہیں اور وہ جامعہ کے بنیادی مقاصد اور اس کی اولین ترجیحات میں بھی شامل ہیں۔

لیکن حیف کہ ہمارا اجتماعی شعور بھی اتنا پختہ نہ ہو سکا یا ہم میں بعض کے ذہنی افق میں اتنی وسعت نہ پیدا ہو سکی کہ تعلیم و تربیت کے وسیع تر مقتضیات اور نوجوانوں کی ذہنی و نفسیاتی تربیت اور ان کے اخلاق و کردار کی تعمیر اور نسل اشرف کی نمائندگی کے لئے ان کی تہذیب و تثقیف کے مطالبات کے مقابلہ میں ذہنی تحفظات کی گرفت سے آزاد ہو سکیں۔ اللہ ہمیں ہدایت دے۔

دسمبر ۲۰۰۰ء کے نیٹ میں فلاحی طلبہ کا نمایاں مقام

کسی کی کامیابی کی مبارکباد دے کر خوشی کا اظہار کرنا گو ایک شیوۂ محبت و قدردانی اور وسیلۂ حوصلہ افزائی ہے لیکن قلب و روح کے رشتے کی بنیاد پر جب کسی کو مبارکباد پیش کی جاتی ہے تو یہ رسم وفا مقصد حیات کی جانب پیش قدمی کی ایک علامت ہوتی ہے۔ اس لئے یہ مبارکباد صرف مبارکباد ہی نہیں ہوتی بلکہ دوسرے ہم سفر احباب کے ذوق سفر کو مہمیز کرنے اور ان کے دلوں میں منزل کا شعور بیدار کرنے کا ایک دلآویز ذریعہ ہوتی ہے۔

NET میں برادر نجیم الدین فلاحی کی کامیابی، برادرم عبدالحفیظ فلاحی کی کامیابی، برادرم محی الدین غازی فلاحی کی کامیابی اور برادرم افضال احمد فلاحی کی کامیابی پر ہم اپنی طرف سے، انجمن کی طرف سے اور مادر علمی کی طرف سے دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ انھیں توفیق دے کہ علمی و ثقافتی میدان میں مزید ترقی کے مدارج طے کر کے مادر علمی کے لئے سرمایۂ افتخار بن سکیں اور قوم و ملت کے لئے اس کے درد محرومی کا درماں بن سکیں۔

مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح کے چند اہم فیصلے

مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح کا ایک اہم اجلاس ۲۹ مئی ۲۰۰۱ء کو جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوا تھا جس میں درج ذیل اہم فیصلے لیے گئے:

۱۔ مہتمم جامعۃ الفلاح مولانا رحمۃ اللہ اثری صاحب کی بعض مجبوریوں اور اہتمام کے کام کی وسعت کو دیکھتے ہوئے عارضی طور پر اتفاق رائے سے معاون مہتمم کی پوسٹ وجود میں لائی گئی۔ فی الحال معاون مہتمم کے منصب پر مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب فائز ہیں۔

۲۔ تعلیمی کمیٹی کی جانب سے نظام تعلیم، نصاب تعلیم اور مراحل تعلیم سے متعلق ایک تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا جسے معمولی ترمیم کے ساتھ شوریٰ نے منظوری دے دی۔ اس خاکہ کے مطابق اب عالمیت میں اردو اور ہندی ادب بھی پڑھایا جائے گا اور فضیلت دو سال کے بجائے تین سالوں پر مشتمل ہوگا جس میں چھ ششماہیاں عمومی مضامین کے لئے اور دو ششماہیاں اختصاص کے لئے ہوں گی۔ فی الحال قرآن کریم، حدیث اور دعوت میں اختصاص کی اجازت ہوگی۔

۳۔ ترمیم کے مطابق دو سال مسلسل فیل ہونے والے طلبہ وطالبات تیسرے سال ریگولر

اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے تعلیم نہیں حاصل کر سکیں گے البتہ پرائیوٹ امتحان کی گنجائش ہوگی۔

۴۔ ۲۰۰۳ء میں مولانا مودودیؒ پر ایک بین الاقوامی سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ۔ اجلاس میں دیگر امور کے تحت مولانا مودودیؒ پر ایک بین الاقوامی سیمینار کی تجویز پیش ہوئی۔ مجلس نے اس تجویز کو اتفاق رائے سے منظور کر لیا اور طے کیا کہ سیمینار سے متعلق تفصیلات سیمینار کمیٹی ستمبر ۲۰۰۱ء تک پیش کر دے۔ اس کمیٹی کے کنوینر مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی متعین کئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کمپیوٹر سنٹر

جامعۃ الفلاح کے چند اہم منصوبے

☆☆☆☆☆☆

دستور جامعۃ الفلاح بلریا گنج کی دفعہ ۴ مقاصد جامعہ پر مشتمل ہے مقاصد کے ذیل میں شق نمبر ۱۰ اس طرح ہے:

"فنی، تکنیکی اور پیشہ وارانہ (VOCATIONAL) تعلیم کا اس طرح نظم کرنا جو دفعہ نمبر ۴ شق نمبر ۵ سے ہم آہنگ ہو۔"

مقاصد جامعہ کے اس جزو پر عمل درآمد کے تحت طے کیا گیا کہ جدید فنی ضروریات کے تحت ایک کمپیوٹر سینٹر قائم کیا جائے گا۔ خواہش مند طلبہ کو مواقع فراہم کئے جائیں گے کہ وہ اس سنٹر سے استفادہ کر سکیں چنانچہ جامعہ نے عبوری مرحلہ کے لئے مرکزی لائبریری کا ایک ہال سنٹر کے لئے مخصوص کر دیا اور class room اور training centre کے لئے ضروری سامان فراہم کئے۔ بحمد اللہ دو ایک صاحب خیر نے اس شعبہ کی اہمیت کو سمجھا اور ابتدائی مرحلہ میں چار کمپیوٹر فراہم کر دئے۔ ایک ماہر فن مولانا رئیس احمد فلاحی کی teaching کے لئے خدمات حاصل کی گئیں اور اس طرح سنٹر نے اپنا کام شروع کر دیا۔

لیکن ہمیں افسوس ہے کہ طلبہ کی ایک معتد بہ تعداد جو سنٹر سے استفادہ کی خواہش مند تھی اور ہے ہم ان کو خواہش کے باوجود سہولت بہم پہنچانے سے قاصر ہیں۔ ظاہر بات ہے صرف چار سیٹ سے کتنے طلبہ کو تربیت دی جا سکتی ہے۔ کوشش کی گئی shift چلا کر مزید مواقع فراہم کئے جائیں مگر ان

سب سے دوروں کے باوجود اس میں سے زیادہ طلبہ کو سالانہ موقع نہیں دیا جا سکا ہے۔ اب تک دس طلبہ operating کی تربیت پا کر فارغ ہو چکے ہیں۔ ان شاء اللہ اس سال سولہ طلبہ فارغ ہوں گے۔

جامعہ کی بنیادی پالیسی رہی ہے کہ کلیۃ البنات کی طالبات کو کسی میدان میں نظر انداز نہ کیا جائے۔ مگر افسوس وسائل کی قلت کے سبب کمپیوٹر سنٹر لڑکیوں کے لئے قائم نہیں کیا جا سکا۔ طالبات اور معلمات کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔ ذمہ داران جامعہ پر امید مستقبل کی بنیاد پر امسال اس کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں اگر وسائل کی قلت سد راہ نہ بنی تو رمضان بعد آغاز کر دیا جائے گا۔ کیوں کہ مقاصد جامعہ میں جس طرح کے افراد کی تیاری مطلوب ہے اس کے لئے کمپیوٹر کی تعلیم سے آراستہ ہونا طلبہ کے لئے ضروری ہے۔

لہٰذا اس شعبہ کو ترقی دینے کی کوشش کرنی ہے۔ پھر طالبات کو محروم رکھنا کسی زاویہ سے درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے طے کیا گیا ہے کہ مزید وسائل فراہم کرنے کی کوشش کی جائے کہ سنٹر اپنے جملہ لوازمات کے ساتھ احسن طریقے سے فیض جاری رکھ سکے۔ اس کے ساتھ آئندہ تعلیمی سال سے شعبۂ طالبات میں بھی کمپیوٹر سنٹر قائم کر دیا جائے۔ جیسا کہ اندازہ کیا جا سکتا ہے ذمہ داران کی قلبی خواہش کے باوجود قدم بقدم پر وسائل کی قلت سد راہ بنتی رہی ہے۔ ذیل میں مجوزہ خاکہ برائے کمپیوٹر سنٹر طلبہ و طالبات پیش کیا جا رہا ہے اس امید پر الحمد للہ ملت کے اندر اب بھی کار خیر میں تعاون کا جذبہ وافر مقدار میں موجود ہے۔ اگر صحیح انداز سے کام ہو تو ملت مایوس نہیں کرتی ہے۔ اللہ کی ذات سے ہمیں پوری امید ہے کہ اگلے تعلیمی سال سے مجوزہ خاکہ کے مطابق سنٹر کو فروغ دینے میں ضرور کامیابی حاصل ہو جائے گی۔

سنٹر برائے طلبہ	متوقع مصارف	سنٹر برائے طالبات	متوقع مصارف
سنٹر کی عمارت	10,00000	سنٹر کی عمارت	10,00000
فرنیچر و دیگر لوازمات +اے سی	1,00,000	فرنیچر و دیگر لوازمات +اے سی	1,50,000
ٹیچرس و کارکنان (۲+۲)	45,000	ٹیچرس و کارکنان مشاہرہ	40,000
کمپیوٹر سیٹ (۴۰ عدد)	20,00000	کمپیوٹر سیٹ (۴۰ عدد)	20,00000
میزان	31,45,000	میزان	31,90,000

کل میزان: Grand Total = 63,35,000

یہ ایک مستقل منصوبہ ہے۔ اس پر کلہ مصارف کا اندازہ بیک نظر لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن تا وقتیکہ حسب منشا ساری سہولیات بہم نہیں ہوتی ہیں بتدریج کام آگے بڑھانے کا ارادہ ہے۔ الحمد للہ جو کام ہو رہا ہے۔ ان شاء اللہ اس میں ضروری پیش رفت ہوگی۔ البتہ وقت کی نزاکت و ضرورت کا تقاضہ ہے کہ اسے زیادہ موخر نہ کیا جائے۔ مگر یہ سب منحصر ہے اس بات پر کہ کب اور کتنا تعاون سنٹر کو مل پاتا ہے۔ پہلے مرحلہ کا خاکہ حسب ذیل ہے: (شعبۂ عالی)

فرنیچر و دیگر لوازمات	50,000
ٹیچرس و کارکنان	20,000
کمپیوٹر سیٹ (۱۵ عدد)	7,50,000
میزان	8,20,000

اسی طرح کلیۃ البنات میں سنٹر کا ابتدائی پروگرام حسب ذیل ہے۔ چونکہ اس شعبہ میں اب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے لہٰذا خرچ زیادہ آئے گا۔

فرنیچر و دیگر لوازمات	75,000
ٹیچرس و کارکنان	15,000
کمپیوٹر سیٹ (۱۰ عدد)	5,00,000
میزان	5,90,000

☆☆☆☆☆☆☆☆

روداد انجمن

مجلس شوریٰ کا اجلاس

مجلس شوریٰ انجمن طلبہ قدیم کا سالانہ اجلاس ۲۹/۵/۲۰۰۱ء کو جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی کا آغاز جناب مولانا محمد ابوذر صاحب فلاحی عیگ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ شوریٰ کے لئے اب تک کی کوششوں کا جائزہ لیتے ہوئے اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ہر ممکن تعاون پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انجمن کے مطلوبہ اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے ایک تفصیلی لائحہ عمل مرتب کیا گیا اور داخلی نظم واستحکام کے لئے درج ذیل فیصلے کئے گئے۔

۱۔ حیات نو کے مدیر مسئول مولانا ابوالکلام صاحب فلاحی تجویز کئے گئے۔

۲۔ سکریٹری کی خالی جگہ پر انیس احمد فلاحی مدنی کو منتخب کیا گیا۔

۳۔ خازن انجمن مولانا عبدالعظیم صاحب فلاحی کے تعاون کے لئے مولانا اظہار احمد صاحب فلاحی کو نامزد کیا گیا۔

۴۔ جیپ کے نئے ذمہ دار مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی اور ان کے معاون مولانا کمال احمد صاحب فلاحی مقرر کئے گئے۔

آخر میں حیات نو کا مسئلہ زیر بحث آیا اور موجودہ شدید بحران سے اسے نکالنے نیز معنوی اور صوری لحاظ سے اسے خوب سے خوب تر بنانے کے لئے مختلف فیصلے کئے گئے اور یہ طے پایا کہ انجمن کا ایک وفد اس سلسلہ میں مختلف شہروں اور بستیوں کا دورہ کرے۔ قارئین حیات نو سے عموماً اور فلاحی برادران سے خصوصاً اس سلسلہ میں بھرپور تعاون کی درخواست ہے۔

کلیۃ البنات میں ثقافتی انعامی مقابلہ

طلبہ وطالبات کے اندر تعلیمی بیداری پیدا کرنے اور حصول علم کے لئے مسابقت ومنافست کا جذبہ پروان چڑھانے میں انعامی مقابلوں کا زبردست رول ہوتا ہے۔ چنانچہ طالبات کے اندر مطالعہ کا علمی شوق وجذبہ بیدار کرنے اور تحقیق وجستجو کا مادہ پروان چڑھانے کے لئے انجمن طالبات

قدیم کی جانب سے ۲۹/اپریل ۲۰۰۱ء کو کلیۃ البنات کے شعبہ عالمیت کی طالبات کے لئے ایک انعامی مقابلہ منعقد کیا گیا جس میں طالبات انتہائی جوش وخروش اور عزم وحوصلہ کے ساتھ متعینہ کتب کا مطالعہ کرکے شریک ہوئیں۔ الحمد للہ شریک مقابلہ ہونے والی طالبات کی مجموعی تعداد دو سو چالیس تھی جو درجات کے اعتبار سے چار گروپ میں منقسم تھیں۔ ہر گروپ سے فرسٹ، سیکنڈ اور تھرڈ پوزیشن حاصل کرنے والی طالبات کو انعامات سے نوازا گیا۔ نیز امتیازی نمبرات حاصل کرنے والی طالبات کو تشجیعی انعامات دیئے گئے۔ انعامات نہایت خوشگوار ماحول میں صدر انجمن طالبات قدیم کے ہاتھوں سے محترمہ صدر معلمہ اور دیگر معلمات کی موجودگی میں ۶/مئی ۲۰۰۱ء کو تقسیم کئے گئے۔ انعامات پانے والی طالبات کے نام درج ذیل ہیں۔

گروپ (A) عربی پنجم تا عربی ہشتم

۱۔ شگفتہ ابوالاعلیٰ　　　عربی ہشتم

۲۔ تمنا یاسمین　　　عربی پنجم

۳۔ خورشیدہ　　　عربی ہفتم

گروپ (B) عربی سوم تا عربی چہارم

۱۔ شاذیہ ترنم　　　عربی چہارم

۲۔ ساجدہ نثار　　　عربی چہارم

۳۔ عطیہ پروین　　　عربی سوم

گروپ (C) عربی اول تا عربی دوم

۱۔ ماہ شہناز　　　عربی اول

۲۔ انجم صبیب　　　عربی دوم

۳۔ فردوس حنیف　　　عربی اول

گروپ (D) درجہ ششم تا درجہ ہشتم

۱۔ سمیہ　　　۲۔ شاہ جہاں الدین　　　۳۔ زینب الالف

مقابلہ کے اختتام کے بعد طالبات نے انتہائی خوشی ومسرت کا اظہار کیا اور ان کی مقابلوں کے انعقاد کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حوصلے ولولے کو قائم رکھے اور ... سے علم دین کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (سمیہ خورشید)

تعارف

اسلامی امتحانات بھوپال

اس وقت ملک میں جس طرح کی تعلیم رائج اور جاری ہے اس میں مسلمان طلبہ کو اپنے عقائد اور دین سے مستحکم رشتہ قائم رکھنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ اس صورت حال سے واقف کار مسلمان فکرمند ہیں۔ نتیجتاً مسلمانوں کے اندر عام طور پر شدت سے یہ احساس ابھر رہا ہے کہ ہمیں اگر اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنا ہے تو ان کی تعلیم کا نظم خود کرنا پڑے گا۔ خدا کے فضل سے مسلمانوں نے جگہ جگہ اس سلسلے میں کوششیں شروع کر دی ہیں۔ یہ سب کوششیں ابتدائی درجہ میں ہونے کے باوجود انتہائی قابل قدر ہیں۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اب مزید کسی کوشش کی ضرورت نہیں۔

اسی احساس کے تحت جامعہ اسلامیات بھوپال مدھیہ پردیش نے اسلامی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ان امتحانات کے ذریعہ آپ گھر بیٹھے تھوڑی توجہ اور محنت صرف کر کے اپنے بچوں کو عصری تعلیم کے میدان مسابقت میں پیچھے رکھے بغیر شرک وتشکیک والحاد پر مشتمل باطل نظریات کی یلغار سے بچا سکتے ہیں۔

یہ کہنا تو صحیح نہ ہوگا کہ تعلیم کے تعلق سے ملت کی آئندہ نسل کے لئے موت وحیات کا جو مسئلہ پیدا ہو گیا ہے وہ جامعہ اسلامیات بھوپال کے امتحانات اس کا مکمل جواب ہیں۔ لیکن یہ امید ضرور ہے کہ آئندہ اگر ہمارا اخلاص اللہ کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور ملت کے دردمند احباب نے مسئلہ کی نزاکت کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے تعاون کیا تو انشاء اللہ یہ سوال بڑی حد تک حل ہو جائے گا۔

سکریٹری

عبدالحکیم

جامعہ اسلامیات بھوپال

33/A۔ باغ دلکشا، اللچھمن رائے کالونی، بھوپال، مدھیہ پردیش